فاستبقوا الخیرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

مئی ۱۹۶۵ء

چندہ سالانہ ۶ روپے
فی پرچہ ۶۲ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اِستَبِقُوا الخَیرَاتِ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"

(المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

خالد

ربوہ

جلد ۱۱

محرم الحرام سنہ ۱۳۸۵ھ ــــ ہجرت ۱۳۴۴ھش

مئی سنہ ۱۹۶۵ء

شمارہ ۷

سرپرست

حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد مدظلہ

صدر مجلس خدام الاحمدیہ

(ایڈیٹر)

لطف الرحمٰن محمود

نائب

محمد شفیق قیصر

(سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

ترتیب

اداریہ

خدام الاحمدیہ ہال

قادیان دارالامان سے ہجرت کے بعد ۱۹۵۰ء میں جب ربوہ میں خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا دفتر بنانے کا معاملہ زیرِ غور تھا اُس وقت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ارشاد فرمایا تھا کہ مرکزی دفتر کے ساتھ "ہال" اور لائبریری بھی ہونی چاہیئے۔ ۱۹۵۲ء میں مختصر سا دفتر تعمیر کر لیا گیا اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے "تعمیر ہال" کا فنڈ قائم کر دیا گیا۔ طویل عرصے سے حضور کے اس ارشاد کی تعمیل کی کوشش جاری تھی۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احاطہ خدام الاحمدیہ میں وسیع و عریض ہال کا سنگِ بنیاد نصب فرمایا۔ لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر تعمیر کا کام شروع نہ کیا جا سکا۔ ۱۰ اپریل ۱۹۶۵ء کو صدرِ مجلس محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مدظلہ العالی نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعاؤں کے ساتھ اینٹ رکھ کر تعمیر کا افتتاح فرمایا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہِ کرم اس اینٹ پر دعا فرمائی اور تعمیر کے آغاز کی خبر سن کر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس تقریبِ افتتاح کے موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام، علمائے عظام اور بعض دیگر اصحاب نے بھی دعاؤں کے ساتھ اینٹیں نصب کیں۔

یہ وسیع و عریض ہال جہاں دیکھنے میں انتہائی دلکش اور نظر افروز ہو گا وہاں مجلس خدام الاحمدیہ کی سرگرمیوں کا ایک موزوں و مناسب مرکز بھی ثابت ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ مجلس خدام الاحمدیہ کی جملہ ضروریات بطریقِ احسن پوری ہو سکیں گی۔ ہمارا سالانہ اجتماع ——— تربیتی کلاسز ——— "اِن ڈور گیمز" ——— اور دیگر تقاریب اس ہال میں منعقد ہوا کریں گی۔ کیونکہ وسیع و عریض زیرِ تعمیر عمارت ——— "اسمبلی ہال" ——— "آڈیٹوریم" ——— "جمنیزیم" وغیرہ کے طور پر استعمال ہو سکے گی۔

اس کے علاوہ ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ ربوہ کا پہلا وسیع و عریض "پبلک ہال" ہو گا۔ جامعہ احمدیہ ہال ——— تعلیم الاسلام کالج ہال ——— تعلیم الاسلام ہائی سکول بشیر ہال ——— وغیرہ تعلیمی ادارہ جات کے ہال ہیں۔ لجنہ اماء اللہ ہال مستورات کی سرگرمیوں کے علاوہ جامعہ نصرت کی علمی و ادبی اور سماجی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ خدام الاحمدیہ ہال ربوہ میں موجود تمام ہالز سے بڑا ہو گا بلکہ ملک کے چند بڑے ہالز میں سے

ایک ہوگا اس لئے خدام الاحمدیہ کی ضروریات کے علاوہ مجلس مشاورت اور دیگر جماعت جماعتی تقاریب کے لئے بھی زیادہ موزوں ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

خدام الاحمدیہ کا زیر تعمیر عظیم تعمیری منصوبہ ایک نظر میں!

ہال:۔ طول = ایک سو چھیاسٹھ فٹ چھ انچ

عرض = چھیاسٹھ فٹ پونے چار انچ

بلندی = چالیس فٹ

سٹیج:۔ کل رقبہ = ۴۰ فٹ × ۲۰ فٹ

انٹرنس ہال:۔

کل رقبہ = ۲۷ فٹ × ۴۲ فٹ

کُل نشستیں:۔

ہال = سولہ سَو

سٹیج = دو سَو

گیلری = دو سَو

کُل = دو ہزار

دفتر و مہمان خانہ:۔

(دو منزلہ عمارت) ۱۲ کمرے

کُل رقبہ = ۶۱ فٹ × ۴۴ فٹ

(اسکے علاوہ چار کمرے سٹیج کے عقب میں تعمیر ہوں گے)

لائبریری و ریڈنگ روم:۔ (انٹرنس ہال کے اُوپر ہوں گے)

کل رقبہ = ۲۷ فٹ × ۴۲ فٹ

ڈائننگ ہال و کچن وغیرہ:۔

کل رقبہ = ۵۴ فٹ × ۴۲ فٹ

اخراجات کا اندازہ = تین لاکھ پچاس ہزار روپے

ہال کے علاوہ دو منزلہ دفتر اور مہمان خانہ، کتب خانہ اور دار المطالعہ اور طعام گاہ اور نعمت خانہ وغیرہ کی تعمیر بھی

اس منصوبے میں شامل ہے۔

یہ تعمیری منصوبہ تین مرحلوں میں تکمیل پذیر ہوگا۔ پہلے مرحلے میں ہال، سٹیج، اس کے عقبی چار کمرے، برآمدہ، انٹرنس ہال اور غسل خانے وغیرہ مکمل ہوں گے۔ دوسرے مرحلے میں دو منزلہ دفتر اور گیسٹ ہاؤس کے بارہ کمرے، دارالمطالعہ اور کتب خانہ تعمیر ہوں گے۔ تیسرے مرحلہ میں طعام گاہ اور نعمت خانہ وغیرہ کی تکمیل ہوگی۔ یہ سارا منصوبہ دس ماہ میں تکمیل پذیر ہوگا مگر اس کا انحصار مطلوبہ رقم کی فراہمی پر ہے۔ سر دست پہلے اس منصوبے کے پہلے مرحلے کی تکمیل کا پروگرام ہے جس پر ڈیڑھ دو لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ اگر اتنی رقم موصول ہو جائے تو چھ ماہ کے اندر اندر یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا۔

ہال کے فوائد کے متعلق گزارشات بے جا ہوں گی کیونکہ اس کی افادیت بالکل واضح ہے۔ اصل چیز تو اطاعتِ امام ہے —— اور یہی سوال اس وقت ہمارے سامنے ہے!! جس مقدس وجود نے ہمیں خدام الاحمدیہ جیسی تنظیم عطا کر کے ہمیں اور ہماری نسلوں کو ایمان اور ہدایت کی جُوئے رواں پر لا بٹھایا ہے، کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم اس محسن امام کی اس خواہش کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں؟

گزشتہ سالانہ اجتماع ۱۹۶۴ء کے موقع پر مجلس شوریٰ نے بجا طور پر ہال کی تعمیر شروع کرنے پر اصرار کیا تھا۔ نمائندگان نے اس وقت تعمیر ہال کی مد میں عطیہ کے طور پر رقوم بھجوانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے تعمیری کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب مزید التوا اور انتظار کی گنجائش نہیں۔ اگر جملہ مجالس اور جماعت کے مخیّر اصحاب اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قربانی اور ایثار کی قابلِ تقلید مثالیں قائم کریں تو اس رقم کا مہیا ہونا جو ایک انتہائی مفید اور مبارک منصوبے کی تکمیل پر خرچ ہوگی، چنداں مشکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس منصوبے کی تکمیل کر کے اپنے محبوب امام کی خواہش کی تکمیل کا شرف حاصل کر سکیں!!

معارف القرآن الحکیم

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ (سورہ حجر آیت ۲۳)

ترجمہ:۔ اور ہم نے (بخارات کو) اُٹھانے والی ہوائیں (بھی تمہارے لئے) چھوڑ رکھی ہیں۔ اور (ان کے ذریعے) ہم نے بادلوں سے پانی اتارا ہے۔ پھر وہ تمہیں پینے کو دیا ہے اور تم (خود) اسے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

تشریح:۔ اس آیت کریمہ میں کفار کے اس اعتراض کا جواب ملتا ہے کہ سابقہ صحیفوں اور پُرانے کلام کی موجودگی میں قرآن کی کیا ضرورت ہے؟ سو یہاں استعارۃً بتایا گیا ہے کہ جیسے بغیر لواقح یعنی اُن ہواؤں کے جو آبی بخارات سمیٹ کر بارش برسانے کا موجب بنتی ہیں، زمین پر موجود پانی دنیا کی ساری ضروریات پوری نہیں کر سکتا بعینہٖ اسی طرح پُرانے کلام کو نئے الہام کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض یہاں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ پانی پڑا پڑا گندہ ہو جاتا ہے اور دوبارہ آسمان ہی سے صاف ہو کر آتا ہے۔ پس جب تم اپنے خیالات شامل کر کے کلام الٰہی کے مطالب کو گندہ کر دو گے تو خدا تعالیٰ ان غلطیوں کو پھر الہام کے ذریعہ دُور کر دے گا۔

اللہ کی رحمت کی وسعت

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اللہ نے رحمت کے سو حصوں میں سے ۹۹ حصے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصہ زمین پر نازل کیا جس سے تمام خلقت آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک چوپایہ بھی اپنا پاؤں اس خوف سے اٹھا لیتا ہے کہ میرے بچے کو صدمہ نہ پہنچے۔

(مسلم)

تین نیک خصلتیں

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں موجود ہوں وہ ایمان کی حلاوت پاتا ہے۔ اول یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت باقی سب چیزوں سے بڑھ کر ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی نیک انسان سے محض اللہ کی خاطر محبت ہو۔ تیسرے یہ کہ کفر سے نجات پانے کے بعد پھر اس کی طرف لوٹنا اسے بہت ہی برا معلوم ہو۔

(بخاری)

آگ کی چنگاری

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگشتری دیکھی۔ آپ نے دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے یہ نکال کر پھینک دی اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی آگ کی چنگاری ہاتھ میں لینے کا قصد کرتا ہے؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اسے بیچ کر کام میں لاؤ۔ اس نے جواب دیا بخدا جبکہ حضورؐ نے اسے پھینک دیا ہے میں تو اب اسے نہیں اٹھاؤں گا۔

(مسلم)

رحمت مجسم

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت سیاہ فام مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی دن اسے نہ دیکھا تو آپ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو مر گئی۔ فرمایا تم نے مجھے کیوں خبر نہ دی؟ .... پھر آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر کا پتہ دو۔ پتہ معلوم کر کے آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بیعت کا اقرار ہرگز کافی نہیں ہے!

مجاہدہ، کوشش اور دعا سے کبھی غافل نہ ہو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"بیعت کی اصل غرض یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت میں ذوق و شوق پیدا ہو اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو کر اس کی جگہ نیکیاں پیدا ہوں۔ جو شخص اس غرض کو ملحوظ نہیں رکھتا اور بیعت کرنے کے بعد اپنے اندر کوئی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مجاہدہ اور کوشش نہیں کرتا جو کوشش کا حق ہے اور پھر اس قدر دعا نہیں کرتا جو دعا کرنے کا حق ہے تو وہ اس اقرار کی جو خدا تعالیٰ کے حضور کیا جاتا ہے سخت بے حرمتی کرتا ہے اور وہ سب سے زیادہ گنہگار اور قابل سزا ٹھہرتا ہے۔ پس یہ ہرگز نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بیعت کا اقرار ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہمیں کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ مثل مشہور ہے جوئندہ یابندہ۔ جو شخص دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھولا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں بھی فرمایا گیا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ ہماری طرف آتے ہیں اور ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے واسطے اپنی راہ کھول دیتے ہیں اور صراط مستقیم پر چلا دیتے ہیں لیکن جو کوشش نہیں کرتا وہ کس طرح اس راہ کو پا سکتا ہے خدا یابی اور حقیقی کامیابی اور نجات کا بھی یہی گر اور اصول ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرنے سے تھکے نہیں نہ درماندہ ہو اور نہ اس راہ میں کوئی کمزوری ظاہر کرے۔

تم لوگوں نے اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور میرے ہاتھ پر اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ توبہ تمہارے لئے باعث برکت ہونے کی بجائے لعنت کا موجب ہو جاوے۔ کیونکہ اگر تم لوگ مجھے شناخت کر کے بھی اور خدا تعالیٰ سے اقرار کر کے بھی اس عہد کو توڑتے ہو تو پھر تم کو دوسرا عذاب ہے کیونکہ عمداً تم نے معاہدہ کو توڑا ہے۔ دنیا میں جب کوئی شخص کسی سے عہد کر کے اسے توڑتا ہے تو اس کو کس قدر ذلیل اور شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ وہ سب کی نظروں سے گر جاتا ہے پھر جو شخص خدا تعالیٰ سے عہد اور اقرار کر کے توڑے وہ کس قدر عذاب اور لعنت کا مستحق ہوگا۔"

(الحکم ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۴ء)

(سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

درج ذیل مضمون سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ کی تقریر "منہاج الطالبین" سے اخذ کیا گیا ہے حضور نے یہ تقریر ۲۷ دسمبر ۱۹۲۵ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان میں ارشاد فرمائی۔ اس معرکۃ الآراء تقریر میں حضور نے اخلاق، گناہ، نیکی، تربیت وغیرہ مختلف امور پر نہایت دلکش رنگ میں روشنی ڈالی ہے۔ اس اقتباس میں حضور نے تربیت اولاد کے نہایت قیمتی اصول بیان فرمائے ہیں۔ اور مختصر طور پر تمام امور کو یکجا فرما دیا ہے۔ احباب جماعت اور خصوصاً نوجوانوں کو ان اصولوں اور اس کتاب سے ضرور استفادہ کرنا چاہیئے ——— (ادارہ)

بچوں کی تربیت کے طریق

اب میں تربیت کے طریق بتاتا ہوں:۔

(۱) بچہ کے پیدا ہونے پر سب سے پہلی تربیت اذان ہے (جس کے متعلق پہلے بتا چکا ہوں۔)

(۲) یہ کہ بچہ کو صاف رکھا جائے۔ پیشاب پاخانہ فوراً صاف کر دیا جائے۔ شاید بعض لوگ یہ کہیں یہ کام تو عورتوں کا ہے یہ صحیح ہے۔ مگر پہلے مردوں میں یہ خیال پیدا ہوگا تو پھر عورتوں میں ہوگا۔ پس مردوں کا کام ہے کہ عورتوں کو یہ باتیں سمجھائیں کہ جو بچہ صاف نہ ہے اس میں صاف خیالات کہاں سے آئیں گے۔ مگر دیکھا گیا ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ مجلس میں اگر بچہ کو پاخانہ آئے تو کپڑے پر پھرا کے عورتیں کپڑا بغل میں دبا لیتی ہیں۔ اور قادیان کے ارد گرد کی دیہاتی عورتوں کو تو دیکھا ہے جوتی میں پاخانہ پھرا کر ادھر اُدھر پھینک دیتی ہیں۔ جب بچہ کی ظاہری صفائی کا خیال نہیں رکھا جاتا تو باطنی صفائی کس طرح ہوگی؟ لیکن اگر بچہ ظاہر میں صاف ہو تو اس کا اثر اس کے باطن پر پڑے گا اور اس کا باطن بھی پاک ہوگا۔ کیونکہ غلاظت کی وجہ سے جو گناہ پیدا ہوتے ہیں اُن سے بچا رہے گا۔ یہ بات طب کے رُو سے ثابت ہو گئی ہے کہ بچہ میں پہلے گناہ غلاظت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جب بچہ کا اندام نہانی صاف نہ ہو تو بچہ اُسے کھجلاتا ہے۔ اِس سے وہ مزا محسوس کرتا اور اس طرح اُسے شہوانی قوت کا احساس ہو جاتا ہے۔ اگر بچہ کو صاف رکھا جائے اور جوں جوں وہ بڑا ہو اُسے بتایا جائے کہ ان مقامات کو صفائی کے لئے دھونا ضروری ہوتا ہے، تو وہ شہوانی بُرائیوں سے بہت حد تک محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ تربیت بھی پہلے دن سے شروع ہونی چاہیئے۔

(۳) غذا بچہ کو وقت مقررہ پر دینی چاہیئے۔ اِس سے بچہ میں

یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خواہشات کو دبا سکتا ہے اور اس طرح بہت سے گناہوں سے بچ سکتا ہے۔ چوری، لوٹ کھسوٹ وغیرہ بہت سی برائیاں خواہشات کو نہ دبانے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایسے انسان میں جذبات پر قابو رکھنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جب بچہ رویا ماں نے اسی وقت دودھ دے دیا۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مقررہ وقت پر دودھ دینا چاہیئے اور بڑی عمر کے بچوں میں یہ عادت ڈالنی چاہیئے کہ وقت پر کھانا دیا جائے۔ اس سے یہ صفات پیدا ہوتی ہیں (۱) پابندیٔ وقت کا احساس (۲) خواہش کو دبانا۔ (۳) صحت (۴) مل کر کام کرنے کی عادت ہوتی ہے کیونکہ ایسے بچوں میں خود غرضی اور نفسانیت نہ ہوگی۔ جبکہ وہ سب کے سب ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے (۵) اسراف کی عادت نہ ہوگی۔ جو بچہ ہر وقت کھانے کی چیزیں لیتا رہتا ہے وہ ان میں سے کچھ ضائع کریگا، کچھ کھائے گا لیکن اگر مقررہ وقت پر مقررہ مقدار میں اسے کھانے کی چیز دی جائے گی تو وہ اسمیں سے کچھ ضائع نہیں کرے گا۔ پس اس طرح بچہ میں تھوڑی چیز استعمال کرنے اور اسی سے خواہش کے پورا کرنے کی عادت ہوگی۔ (۶) لالچ کا مقابلہ کرنے کی عادت ہوگی۔ مثلاً بازار میں چلتے ہوئے بچہ ایک چیز دیکھ کر کہتا ہے یہ لینی ہے۔ اگر اس وقت اسے نہ لیکر دی جائے تو وہ اپنی خواہش کو دبائے گا اور پھر بڑا ہونے پر کئی دفعہ دل میں پیدا شدہ لالچ کا مقابلہ کرنے کی اس کو عادت ہو جائے گی۔

اسی طرح گھر میں چیز پڑی ہو اور بچہ مانگے تو کہہ دینا چاہیئے کہ کھانے کے وقت پر ملے گی۔ اس سے بھی اس میں یہ قوت پیدا ہو جائے گی کہ نفس کو دبا سکے گا۔

زمیندار گنے، مولی، گاجر، گڑ وغیرہ کے متعلق اسی طرح کر سکتے ہیں۔

(۴) بچہ کو مقررہ وقت پر پاخانہ کی عادت ڈالنی چاہیئے یہ اس کی صحت کے لئے بھی مفید ہے لیکن اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اعضاء میں وقت کی پابندی کی حس پیدا ہو جاتی ہے۔ وقت مقررہ پر پاخانہ پھرنے سے انتڑیوں کو عادت ہو جاتی ہے اور پھر مقررہ وقت پر ہی پاخانہ آتا ہے۔ یورپ میں تو بعض لوگ حاجت سے وقت بتا دیتے ہیں کہ اب یہ وقت ہوگا کیونکہ مقررہ وقت پر انہیں پاخانہ کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ تو بچہ کے لئے یہ بہت ضروری بات ہے۔ وقت پر کام کرنے والے بچے میں ارادہ کی پختہ عادت پیدا ہو جاتی ہے اور قومی کاموں کو پیچھے ڈالنے کی عادت نہیں پیدا ہوتی۔ علاوہ ازیں بے جا جوش دب جاتے ہیں۔ کیونکہ بے جا جوش کا ایک بڑا سبب بے وقت کام کرنے کی عادت ہے خصوصاً بے وقت کھانا کھانا۔ مثلاً بچہ کھیل کود میں مشغول ہوا وقت پر ماں نے کھانا کھانے کے لئے بلایا مگر نہ آیا۔ پھر جب آیا تو ماں نے کہا ٹھہرو کھانا گرم کر دوں۔ چونکہ اسے اس وقت بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے اس لئے وہ روتا چلاتا اور بے جا جوش ظاہر کرتا ہے کیونکہ وہ اسی وقت کھانے کے لئے آیا ہے جب اس سے بھوک دبائی نہیں جاتی اور اس وجہ سے نہایت شور کرتا ہے۔

(۵) اسی طرح غذا اندازہ کے مطابق دی جائے۔ اس سے قناعت پیدا ہوتی اور حرص دور ہوتی ہے۔

(۶) قسم قسم کی خوراک دی جائے۔ گوشت، ترکاریاں اور پھل دیئے جائیں کیونکہ غذاؤں سے بھی مختلف اقسام کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ پس مختلف اخلاق کے لئے مختلف غذاؤں

کا دیا جانا ضروری ہے۔ ہاں بچپن میں گوشت کم اور ترکاریاں زیادہ ہونی چاہئیں کیونکہ گوشت ہیجان پیدا کرتا ہے اور بچپن کے زمانہ میں ہیجان کم ہونا چاہیئے۔

(۷) جب بچہ ذرا بڑا ہو تو کھیل کود کے طور پر اُس سے کام لینا چاہیئے۔ مثلاً یہ کہ فلاں برتن اُٹھا لاؤ۔ یہ چیز وہاں رکھ آؤ۔ یہ چیز فلاں کو دے آؤ۔ اسی قسم کے اور کام کرانے چاہئیں۔ ہاں ایک وقت تک اسے اپنے طور پر کھیلنے کی بھی اجازت دینی چاہیئے۔

(۸) بچہ کو عادت ڈالنی چاہیئے کہ وہ اپنے نفس پر اعتبار پیدا کرے۔ مثلاً چیز سامنے ہو اور اُسے کہا جائے ابھی نہیں ملے گی فلاں وقت ملیگی۔ یہ نہیں کہ چھپا دی جائے۔ کیونکہ اس نمونہ کو دیکھ کر وہ بھی اسی طرح کرے گا اور اس میں چوری کی عادت پیدا ہو جائے گی۔

(۹) بچہ سے زیادہ پیار بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ زیادہ چومنے چاٹنے کی عادت سے بہت سی بُرائیاں بچہ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس مجلس میں وہ جاتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ پیار کریں۔ اس سے اس میں اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۱۰) ماں باپ کو چاہیئے کہ ایثار سے کام لیں۔ مثلاً اگر بچہ بیمار ہے اور کوئی چیز اُس نے نہیں کھانی تو وہ بھی نہ کھائیں اور نہ گھر میں لائیں بلکہ اُس سے کہیں کہ تم نے نہیں کھانی اس لئے ہم بھی نہیں کھاتے۔ اس سے بچہ میں بھی ایثار کی صفت پیدا ہو گی۔

(۱۱) بیماری میں بچہ کے متعلق بہت احتیاط کرنی چاہیئے کیونکہ بزدلی، خود غرضی، چڑچڑاہٹ، جذبات پر قابو نہ ہونا، اس قسم کی بُرائیاں اکثر لمبی بیماری کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ کئی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کو بُلا بُلا کر پاس بٹھاتے ہیں لیکن کئی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی اُن کے پاس سے گزرے تو کہہ اُٹھتے ہیں۔ ارے دیکھتا نہیں اندھا ہو گیا ہے۔ یہ خرابی لمبی بیماری کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے چونکہ بیماری میں بیمار کو آرام پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے اس لئے وہ آرام پانا اپنا حق سمجھ لیتا ہے۔ اور ہر وقت آرام چاہتا ہے۔

(۱۲) بچوں کو ڈراؤنی کہانیاں نہیں سنانی چاہئیں اس سے اُن میں بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان بڑے ہو کر بہادری کے کام نہیں کر سکتے۔ اگر بچہ میں بزدلی پیدا ہو جائے تو اُسے بہادری کی کہانیاں سنانی چاہئیں اور وہ بہادر لڑکوں کے ساتھ کھلانا چاہیئے۔

(۱۳) بچہ کو اپنے دوست خود نہ چننے دیئے جائیں بلکہ ماں باپ چنیں اور دیکھیں کہ کن بچوں کے اخلاق اعلیٰ ہیں۔ اس میں ماں باپ کو بھی یہ فائدہ ہوگا کہ وہ دیکھیں گے کہ کن کے بچوں کے اخلاق اعلیٰ ہیں۔ دوسرے ایک دوسرے سے تعاون شروع ہو جائے گا کیونکہ جب خود ماں باپ بچہ سے کہیں گے کہ فلاں بچوں سے کھیلا کرو تو اس طرح ان بچوں کے اخلاق کی نگرانی بھی کریں گے۔

(۱۴) بچہ کو اس کی عمر کے مطابق بعض ذمہ داری کے کام دیئے جائیں تاکہ اس میں ذمہ داری کا احساس ہو۔ ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک باپ کے دو بیٹے تھے اس نے دونوں کو بلا کر اُن میں سے ایک کو سیب دیا اور کہا کہ بانٹ کر کھاؤ۔ جب وہ سیب لیکر چلنے لگا تو باپ نے کہا جانتے ہو کس طرح

بانٹتا ہے۔ اُس نے کہا نہیں۔ باپ نے کہا جو بانٹے وہ تھوڑا لے اور دوسرے کو زیادہ دے۔ یہ سُن کر لڑکے نے کہا پھر دوسرے کو دیں کہ وہ بانٹے۔ معلوم ہوتا ہے اس لڑکے میں پہلے ہی بُری عادت پڑ چکی تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس امر کو سمجھتا تھا کہ اگر ذمہ واری مجھ پر پڑی تو مجھے دوسرے کو اپنے پر مقدم کرنا پڑے گا۔ اس عادت کے لئے بعض کھیلیں نہایت مفید ہیں جیسے کہ فٹ بال وغیرہ۔

مگر کھیل میں بھی دیکھنا چاہیئے کہ کوئی بُری عادت نہ پڑے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ماں باپ اپنے بچے کی تائید کرتے ہیں اور دوسرے کے بچے کو اپنے بچے کی بات ماننے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح بچے کو اپنی بات منوانے کی ضد پڑ جاتی ہے۔

(۱۵) بچے کے دل میں یہ بات ڈالنی چاہیئے کہ وہ نیک ہے اور اچھا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا نکتہ فرمایا ہے کہ بچے کو گالیاں نہ دو کیونکہ گالیاں دینے پر فرشتے کہتے ہیں ایسا ہی ہو جائے اور وہ ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ فرشتے اعمال کے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ جب بچے کو کہا جاتا ہے کہ تُو بد ہے تو وہ اپنے ذہن میں یہ نقشہ جما لیتا ہے کہ میں بد ہوں اور پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ پس بچے کو گالیاں نہیں دینی چاہئیں بلکہ اچھے اخلاق سکھانے چاہئیں اور بچے کی تعریف کرنی چاہیئے۔

آج صبح میری لڑکی پیسہ مانگنے آئی۔ جب میں نے پیسہ دیا تو بایاں ہاتھ کیا۔ میں نے کہا یہ تو ٹھیک نہیں۔ کہنے لگی ہاں غلطی ہے پھر نہیں کروں گی۔ اسے غلطی کا احساس کرانے سے فوراً احساس ہو گیا۔

(۱۶) بچہ میں ضد کی عادت نہیں پیدا ہونے دینی چاہیئے۔ اگر بچہ کسی بات پر ضد کرے تو اس کا علاج یہ ہے کہ کسی اور کام میں اُسے لگا دیا جائے اور ضد کی وجہ معلوم کر کے اُسے دُور کیا جائے۔

(۱۷) بچہ سے ادب سے کلام کرنی چاہیئے۔ بچہ نقال ہوتا ہے اگر تم اُسے تُو کہہ کر مخاطب کرو گے تو وہ بھی تُو کہے گا۔

(۱۸) بچہ کے سامنے جھوٹ، تکبر اور ترش روئی وغیرہ نہ کرنی چاہیئے کیونکہ وہ بھی یہ باتیں سیکھ لیگا۔ عام طور پر ماں باپ بچہ کو جھوٹ بولنا سکھاتے ہیں۔ ماں نے بچے کے سامنے کوئی کام کیا ہوتا ہے مگر جب باپ پوچھتا ہے تو کہہ دیتی ہے میں نے نہیں کیا۔ اس سے بچہ میں بھی جھوٹ بولنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ بچہ کی غیر موجودگی میں ماں باپ یہ کام کریں بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو ہر وقت ان عیبوں سے نہیں بچ سکتے وہ کم سے کم بچوں کے سامنے ایسے فعل نہ کریں تا مرض اگلی نسل کو بھی مبتلا نہ کرے۔

(۱۹) بچہ کو ہر قسم کے نشہ سے بچایا جائے۔ نشوں سے بچے کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے جھوٹ کی بھی عادت پیدا ہوتی ہے اور نشہ پینے والا اندھا دھند تقلید کا عادی ہو جاتا ہے۔ ایک شخص حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا وہ ایک دفعہ ایک لڑکے کو لے آیا اور کہتا تھا اسے بھی میں اپنے جیسا ہی بنا لوں گا۔ وہ نشہ وغیرہ پیتا اور مذہب سے کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ حضرت خلیفہ اول رضؓ نے اُسے کہا تم تو خراب ہو چکے ہو اسے کیوں خراب کرتے ہو۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ ایک موقع پر آپ نے اُس لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور اُسے سمجھایا کہ تمہاری عقل کیوں ماری گئی ہے اس کے ساتھ پھرتے ہو۔ کوئی کام سیکھو۔

آپ کے سمجھانے سے وہ لڑکا اُسے چھوڑ کر چلا گیا مگر کچھ مدت کے بعد وہ ایک اور لڑکا لے آیا اور آ کر حضرت خلیفہ اوّلؓ سے کہنے لگا - اب اِسے خراب کر دو تو جانوں - اس کے نزدیک یہی خراب کرنا تھا کہ اُس کے قبضہ سے نکال دیا جائے - حضرت خلیفہ اوّلؓ نے بہتیرا اُس لڑکے کو سمجھایا اور کہا کہ مجھ سے روپیہ لے لو اور کوئی کام کرو مگر اُس نے نہ مانا - آخر آپ نے اُس شخص سے پوچھا اِسے تم نے کیا کیا ہے - تو وہ کہنے لگا اِس کو میں نشہ پلاتا ہوں اور اس وجہ سے اس میں ہمت ہی نہیں رہی کہ میری تقلید کو چھوڑ سکے - غرض نشہ سے اقدام کی قوت ماری جاتی ہے -

جھوٹ سب سے خطرناک مرض ہے کیونکہ اسکے پیدا ہونے کے ذرائع نہایت باریک ہیں - اس مرض سے بچے کو خاص طور پر بچانا چاہیئے - بعض ایسے اسباب ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ مرض آپ ہی آپ بچہ میں پیدا ہو جاتا ہے - مثلاً یہ کہ بچے کا دماغ نہایت بلند پرواز واقع ہوا ہے - وہ جو بات سُنتا ہے آپ ہی اُس کی ایک حقیقت بنا لیتا ہے ہماری ہمشیرہ بچپن میں روز ایک لمبی خواب سُنایا کرتی تھیں - ہم حیران ہوتے کہ روز اسے کس طرح خواب آجاتی ہے - آخر معلوم ہوا کہ سونے کے وقت جو خیال کرتی تھیں وہ اُسے خواب سمجھ لیتی تھیں - تو بچہ جو کچھ سوچتا ہے اُسے واقعہ خیال کرنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اُسے جھوٹ کی عادت پڑ جاتی ہے - اس لئے بچے کو سمجھاتے رہنا چاہیئے کہ خیال اور چیز ہے اور واقعہ اور چیز ہے - اگر خیال کی حقیقت بچہ کے اچھی طرح ذہن نشین کر دی جائے تو بچہ جھوٹ سے بچ سکتا ہے -

(۲۰) بچوں کو علیحدہ بیٹھ کر کھیلنے سے روکنا چاہیئے -

(۲۱) ننگا ہونے سے روکنا چاہیئے -

(۲۲) بچوں کو عادت ڈالنی چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنی غلطی کا اقرار کریں اور اس کے طریق یہ ہیں :- (۱) اُن کے سامنے اپنے قصوروں پر پردہ نہ ڈالا جائے (۲) اگر بچے سے غلطی ہو جائے تو اُس سے اِس طرح ہمدردی کریں کہ بچے کو یہ محسوس ہو کہ میرا کوئی سخت نقصان ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ مجھ سے ہمدردی کر رہے ہیں - اور اُسے سمجھانا چاہیئے کہ دیکھو اس غلطی سے یہ نقصان ہو گیا ہے (۳) آئندہ غلطی سے بچانے کے لئے بچے سے اِس طرح گفتگو کی جائے کہ بچہ کو محسوس ہو کہ میری غلطی کی وجہ سے ماں باپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے - مثلاً بچہ سے جو نقصان ہوا ہو وہ اس کے سامنے اس کی قیمت وغیرہ ادا کرے - اس سے بچہ میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ نقصان کرنے کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا - کفارہ نہایت گندہ عقیدہ ہے مگر میرے نزدیک بچہ کی اس طرح تربیت کرنے کیلئے نہایت ضروری ہے (۴) بچے کو سرزنش الگ لیجا کر کرنی چاہیئے -

(۲۳) بچہ کو کچھ مال کا مالک بنانا چاہیئے - اس سے بچے میں یہ صفات پیدا ہوتی ہیں :- (۱) صدقہ دینے کی عادت (۲) کفایت شعاری (۳) رشتہ داروں کی امداد کرنا - مثلاً بچے کے پاس تین پیسے ہوں تو اُسے کہا جائے ایک پیسہ کی کوئی چیز لاؤ اور دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر کھاؤ - ایک پیسہ کا کوئی کھلونا خرید لو اور ایک پیسہ صدقہ میں دیدو -

(۲۴) اسی طرح بچوں کا مشترکہ مال ہو مثلاً کوئی کھلونا دیا جائے تو کہا جائے یہ تم سب بچوں کا ہے - سب اس کے ساتھ کھیلو اور کوئی خراب نہ کرے - اس طرح قومی مال

کی حفاظت پیدا ہوتی ہے۔

(۲۵) بچہ کو آداب و قواعد تہذیب سکھاتے رہنا چاہیئے۔

(۲۶) بچہ کی ورزش کا بھی اور اُسے جفاکش بنانے کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بات دنیوی ترقی اور اصلاح نفس دونوں میں یکساں طور پر مفید ہے۔

اخلاق اور روحانیت کی جو تعریف میں اوپر بیان کر چکا ہوں اس کے مطابق وہی بچہ تربیت یافتہ کہلائے گا جس میں مندرجہ ذیل باتیں ہوں:۔ (۱) ذاتی طور پر با اخلاق ہو اور اس میں روحانیت ہو (۲) دوسروں کو ایسا بنانے کی قابلیت رکھتا ہو (۳) قانونِ سلسلہ کے مطابق چلنے کی قابلیت رکھتا ہو (۴) اللہ تعالیٰ سے خاص محبت رکھتا ہو جو سب محبتوں پر غالب ہو۔

پہلے امر کا معیار یہ ہے کہ (۱) جب بچہ بڑا ہو تو امور شرعیہ کی لفظاً و عملاً و عقیدۃً پابندی کرے (۲) اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو تا آئندہ فتنہ میں نہ پڑے (۳) اس کا اپنی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھنا اور جان بچانے کی قابلیت رکھنا۔ اپنے اموال و جائیداد بچانے کی قابلیت کا ہونا اور اس کے لئے کوشش کرنا۔

دوسرے امر کا معیار یہ ہے:۔ (۱) اخلاق کا اچھا نمونہ پیش کرے (۲) دوسروں کی تربیت اور تبلیغ میں حصہ لے (۳) اپنے ذرائع کو ضائع ہونے نہ دے بلکہ انہیں اچھی طرح استعمال کرے جس سے جماعت و دین کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

تیسرے امر یعنی قانونِ سلسلہ کے مطابق چلنے کی طاقت رکھنے کا یہ معیار ہے:۔ (۱) اپنی صحت کا خیال رکھنے والا ہو (۲) جماعتی اموال اور حقوق کا محافظ ہو (۳) کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے دوسروں کے حقوق کو نقصان پہنچے۔ (۴) قومی جزا اور سزا کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو۔

چوتھے امر کا معیار یہ ہے:۔ (۱) کلام الٰہی کا شوق اور ادب ہو (۲) خدا تعالیٰ کا نام اُسے ہر حالت میں مؤدب اور ساکن بنا دے (۳) دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بکلی الگ ہو (۴) خدا کی محبت کی علامات اس کے وجود میں پائی جائیں۔

اطفال اور والدین

مجالس اطفال الاحمدیہ کے علاوہ احمدی والدین پر اپنے بچوں کے معاملہ میں بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ذیل میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"آوارگی بچپن میں پیدا ہوتی ہے اور یہ سب بیماریوں کی جڑ ہوتی ہے۔ اس کی بڑی ذمہ داری والدین اور استادوں پر ہوتی ہے۔ یہ بہت حماقت کی بات ہے کہ بچوں کو چھوٹا سمجھ کر انہیں آوارہ ہونے دیا جاتا ہے۔"

حضور کے اس اقتباس کو پڑھ کر آپ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

(مہتمم اطفال الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انتقال فرمایا تھا۔ تاریخ احمدیت کے اس پہلو پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی نے "سلسلہ احمدیہ" میں جو تاثرات رقم فرمائے ہیں ہدیۂ قارئین ہیں ——— (ادارہ)

قربِ وفات کے متعلق آخری الہام

حضرت مسیح موعودؑ "پیغام صلح" کی تصنیف میں مصروف تھے کہ ۲۰ مئی ۱۹۰۸ء کو آپ کو یہ الہام ہوا کہ:-

الرحیل ثم الرحیل والموت قریب۔ یعنی کوچ کا وقت آگیا ہے ہاں کوچ کا وقت آگیا اور موت قریب ہے۔[1]

یہ الہام اپنے اندر کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا تھا مگر حضرت مسیح موعودؑ نے دانستہ اس کی کوئی تشریح نہیں فرمائی لیکن ہر سمجھدار شخص سمجھتا تھا کہ اب مقدر وقت سر پر آگیا ہے۔ اس پر ایک دن حضرت والدہ صاحبہ نے گھبرا کر حضرت مسیح موعودؑ سے کہا کہ اب قادیان واپس چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم اسی وقت جائیں گے جب خدا لے جائے گا۔ اور آپ بدستور پیغام صلح کی تقریر کے لکھنے میں مصروف رہے بلکہ

آگے سے بھی زیادہ سرعت اور توجہ کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔ بالآخر ۲۵ مئی کی شام کو آپ نے اس مضمون کو قریباً مکمل کر کے کاتب کے سپرد کر دیا اور عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حسب طریق سیر کے خیال سے باہر تشریف لائے۔ ایک کرایہ کی گھوڑا گاڑی حاضر تھی جو فی گھنٹہ مقررہ شرح کرایہ پر منگائی گئی تھی۔ آپ نے اپنے ایک مخلص رفیق شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے فرمایا کہ اس گاڑی والے سے کہہ دیں اور اچھی طرح سے سمجھا دیں کہ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ کے کرایہ کے پیسے ہیں۔ وہ ہمیں صرف اتنی دور لے جائے کہ ہم اس وقت کے اندر اندر ہوا خوری کر کے گھر واپس پہنچ جائیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور آپ تفریح کے طور پر چند میل پھر کر واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کو کوئی خاص بیماری نہیں تھی صرف مسلسل مضمون لکھنے کی وجہ سے کسی قدر ضعف تھا اور غالباً آنے والے حادثہ کے مخفی اثر کے ماتحت ایک گونہ ربودگی اور انقطاع کی کیفیت طاری تھی۔ آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور پھر

[1] بدر جلد ۷ نمبر ۲۲۔

تھوڑا سا کھانا تناول فرما کر آرام کے لئے لیٹ گئے۔

وصال اکبر

کوئی گیارہ بجے رات کا وقت ہوگا کہ آپ کو پاخانہ جانے کی حاجت محسوس ہوئی اور آپ اٹھ کر رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ کو اکثر اسہال کی تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ اب بھی ایک دست آیا اور آپ نے کمزوری محسوس کی اور واپسی پر حضرت والدہ صاحبہ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھے ایک دست آیا ہے جس سے بہت کمزوری ہوگئی ہے۔ وہ فوراً اُٹھ کر آپ کے پاس بیٹھ گئیں اور چونکہ آپ کو پاؤں دبانے سے آرام محسوس ہوا کرتا تھا اس لئے آپ کی چارپائی پر بیٹھ کر پاؤں دبانے لگ گئیں۔ اتنے میں آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور آپ رفع حاجت کے لئے گئے اور جب اس دفعہ واپس آئے تو اس قدر ضعف تھا کہ آپ چارپائی پر لیٹتے ہوئے اپنے جسم کو سہار نہیں سکے اور قریباً بے سہارا ہو کر چارپائی پر گر گئے۔ اس پر حضرت والدہ صاحبہ نے گھبرا کر کہا "اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے؟" آپ نے فرمایا "یہ وہی ہے جو میں کہا کرتا تھا" یعنی اب مقدر وقت آن پہنچا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی فرمایا مولوی صاحب (یعنی حضرت مولوی نورالدین صاحب جو آپ کے خاص مقرب ہونے کے علاوہ ایک نہایت ماہر طبیب تھے) کو بلوالو اور یہ بھی فرمایا کہ محمود (یعنی ہمارے بڑے بھائی حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب) اور میر صاحب (یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے خسر تھے) کو جگا دو۔ چنانچہ سب لوگ جمع ہوگئے اور بعد میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی بلوا لیا گیا اور علاج میں جہاں تک انسانی کوشش ہو سکتی تھی وہ کی گئی۔ مگر خدائی تقدیر کو بدلنے کی کسی شخص میں طاقت نہیں۔ کمزوری لحظہ بلحظہ بڑھتی گئی اور اس کے بعد ایک اور دست آیا جس کی وجہ سے ضعف اتنا بڑھ گیا کہ نبض محسوس ہونے سے رُک گئی۔ دستوں کی وجہ سے زبان اور گلے میں خشکی بھی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے بولنے میں تکلیف محسوس ہوتی تھی مگر جو کلمہ بھی اس وقت آپ کے منہ سے سنائی دیتا تھا وہ ان تین لفظوں میں محدود تھا "اللہ۔ میرے پیارے اللہ" اس کے سوا کچھ نہیں فرمایا۔

صبح کی نماز کا وقت ہوا تو اس وقت جبکہ خاکسار مؤلف بھی پاس کھڑا تھا نحیف آواز میں دریافت فرمایا "کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے؟" ایک خادم نے عرض کیا۔ ہاں حضور ہوگیا ہے۔ اس پر آپ نے بستر کے ساتھ دونوں ہاتھ تیمم کے رنگ میں چھو کر لیٹے لیٹے ہی نماز کی نیت باندھی۔ مگر اسی دوران میں بیہوشی کی حالت ہوگئی۔ جب ذرا ہوش آیا تو پھر پوچھا "کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے؟" عرض کیا گیا ہاں حضور ہوگیا ہے۔ پھر دوبارہ نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔ اس کے بعد نیم بیہوشی کی کیفیت طاری رہی مگر جب کبھی ہوش آتا تھا وہی الفاظ "اللہ۔ میرے پیارے اللہ" سنائی دیتے تھے۔ اور ضعف لحظہ بلحظہ بڑھتا جاتا تھا۔

آخر دس بجے صبح کے قریب نزع کی حالت پیدا ہوگئی اور یقین کر لیا گیا کہ اب بظاہر حالات بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت تک حضرت والدہ صاحبہ نہایت صبر اور برداشت کے ساتھ دعا میں مصروف تھیں اور سوائے ان الفاظ کے اور کوئی لفظ آپ کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ "خدایا! ان کی زندگی دین کی خدمت میں خرچ ہوتی ہے تو میری زندگی بھی ان کو عطا کر دے" لیکن اب جبکہ نزع کی حالت پیدا ہوگئی تو انہوں نے نہایت درد بھرے الفاظ سے روتے ہوئے کہا "خدایا! اب یہ تو ہمیں چھوڑ رہے

ہیں لیکن تو ہمیں نہ چھوڑیو" آخر ساڑھے دس بجے کے قریب حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دو لمبے لمبے سانس لئے اور آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے ابدی آقا اور محبوب کی خدمت میں پہنچ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

وفات پر اپنوں اور بیگانوں کی حالت

جماعت کے لئے یہ فوری دھکا ایک بڑے بھاری زلزلہ سے کم نہیں تھا۔ کیونکہ اوّل تو باوجود ان الہامات کے جو حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی وفات کے متعلق ایک عرصہ سے ہو رہے تھے اور جو وفات سے چند روز قبل بہت زیادہ کثرت اور بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ ہوئے جماعت کے لوگ اس عاشقانہ محبت کی وجہ سے جو انہیں آپ کے ساتھ تھی اس صدمہ کے لئے تیار نہیں تھے۔ دوسرے آپ کی وفات مرض الموت کے مختصر ہونے کی وجہ سے بالکل اچانک واقع ہوئی تھی اور بیرونجات کے احمدی تو الگ رہے خود لاہور کے اکثر دوست آپ کی بیماری تک سے مطلع نہیں ہونے پائے تھے کہ اچانک ان کے کانوں میں آپ کے وصال کی خبر پہنچی۔ اس خبر نے جماعت کو گویا غم سے دیوانہ کر دیا۔ اور دنیا ان کی نظر میں اندھیر ہو گئی۔ اور گو ہر دل غم سے پھٹا جاتا تھا اور ہر آنکھ اپنے محبوب کی جدائی میں اشکبار تھی اور ہر سینہ سوزشِ ہجر سے جل رہا تھا مگر جو لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے خاص تربیت یافتہ تھے اور جماعت کی ذمہ داری کو سمجھتے تھے اور وقت کی نزاکت کو پہچانتے تھے وہ اپنے دلوں کے جذبات کو روکے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر ان کے ہاتھ کام میں لگے ہوئے تھے۔ دوسرے لوگوں میں سے اکثر ایسے تھے جو بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے تھے اور بعض تو اس بات کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ان کا پیارا امام۔ ان کا محبوب آقا۔ ان کی آنکھوں کا نور۔ ان کے دل کا سرور۔ ان کی زندگی کا سہارا۔ ان کی ہستی کا چمکتا ہوا ستارا ان سے واقعی جدا ہو گیا ہے حتّٰی کہ جو تاریں بیرونی جماعتوں کی اطلاع کے لئے لاہور سے دی گئی تھیں اور استدعا کی گئی تھی کہ لوگ جنازہ کے لئے فوراً قادیان پہنچ جائیں انہیں بھی اکثر لوگوں نے جھوٹ سمجھا اور گو وہ قادیان آئے مگر صرف احتیاط کے طور پر آئے اور اس خیال سے آئے کہ جھوٹ کا پول کھولیں۔

دوسری طرف جب حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کی خبر مخالفوں تک پہنچی تو ایک آن واحد میں لاہور کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک بجلی کی طرح پھیل گئی اور پھر ہماری آنکھوں نے مسلمان کہلانے والوں کی طرف سے وہ نظارہ دیکھا جو ہمارے مخالفوں کے لئے قیامت تک ایک ذلت اور کمینگی کا داغ رہے گا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے نصف گھنٹہ کے اندر اندر وہ لمبی اور فراخ سڑک جو ہمارے مکان کے سامنے تھی شہر کے بدمعاش اور کمینہ لوگوں سے بھر گئی۔ اور ان لوگوں نے ہمارے سامنے کھڑے ہو کر خوشی کے گیت گائے اور مسرت کے ناچ ناچے اور شادمانی کے نعرے لگائے اور فرضی جنازے بنا بنا کر نمائشی ماتم کے جلوس نکالے۔ ہماری غمزدہ آنکھوں نے ان نظاروں کو دیکھا اور ہمارے زخم خوردہ دل سینوں کے اندر خون ہو ہو کر رہ گئے۔ مگر ہم نے ان کے اس ظلم پر صبر سے کام لیا اور اپنے سینوں کی آہوں تک کو دبا کے رکھا۔ اس لئے نہیں کہ یہ ہماری کمزوری کا زمانہ تھا کیونکہ ایک کمزور انسان بھی موت کے منہ میں کود کر اپنی غیرت کا ثبوت دے سکتا ہے بلکہ اس لئے

کہ خدا کے مقدس مسیح نے ہمیں یہی تعلیم دی تھی کہ :-

گالیاں سن کے دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار
دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
شدتِ گرمی کا ہے محتاج بارانِ بہار

اور ہم اپنی آنے والی نسلوں کو بھی یہی کہتے ہیں - ہاں وہی نسلیں جن کے سروں پر بادشاہی کے تاج رکھے جائیں گے کہ جب خدا تمہیں دنیا میں طاقت دے اور تم اپنے دشمنوں کا سر کچلنے کا موقعہ پاؤ اور تمہارے ہاتھ کو کوئی انسانی طاقت روکنے والی نہ ہو تو تم اپنے گزرے ہوئے دشمنوں کے ظلموں کو یاد کر کے اپنے خونوں میں جوش نہ پیدا ہونے دینا اور ہمارے کمزوری کے زمانہ کی لاج رکھنا تا لوگ یہ نہ کہیں کہ جب یہ کمزور تھے تو دشمن کے سامنے دب کر رہے اور جب طاقت پائی تو انتقام کے ہاتھ کو لمبا کر دیا بلکہ تم اس وقت بھی صبر سے کام لینا اور اپنے انتقام کو خدا پر چھوڑنا کیونکہ وہی اس بات کو بہتر سمجھتا ہے کہ کہاں انتقام ہونا چاہیئے اور کہاں عفو اور درگزر - بلکہ میں کہتا ہوں کہ تم اپنے ظالموں کی اولادوں کو معاف کرنا اور ان سے نرمی کا سلوک کرنا کیونکہ تمہارے مقدس آقا نے یہی کہا ہے کہ :-

اے دل تو نیز خاطر ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعوئی حُبِّ پیمبرم

"یعنی اے دل تو ان مسلمان کہلانے والوں کا بہر حال لحاظ کر کیونکہ خواہ کچھ بھی ہو آخر یہ لوگ ہمارے محبوب رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔"

بلکہ مسلمانوں پر ہی حصر نہیں تم ہر قوم کے ساتھ عفو اور نرمی کا سلوک کرنا اور ان کو اپنے اخلاق اور محبت کا شکار بنانا کیونکہ تم دنیا میں خدا کی آخری جماعت ہو اور جس قوم کو تم نے ٹھکرا دیا اس کے لئے کوئی اور ٹھکانہ نہیں ہوگا - اے آسمان گواہ رہ کہ ہم نے اپنی آنے والی نسلوں کو خدا کے سچے مسیح کی رحمت اور عفو کا پیغام پہنچا دیا -

تکفین و تدفین اور قدرتِ ثانیہ کا پہلا جلوہ

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بروز منگل بوقت ساڑھے دس بجے صبح ہوئی تھی - اسی وقت تجہیز و تکفین کی تیاری کی گئی - اور جب غسل وغیرہ سے فراغت ہوئی تو تین بجے بعد دوپہر حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول رضؓ نے لاہور کی جماعت کے ساتھ خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں نماز جنازہ ادا کی اور پھر شام کی گاڑی سے حضرت مسیح موعودؑ کا جنازہ بٹالہ پہنچایا گیا جہاں سے اول رات روانہ ہو کر مخلص دوستوں نے اپنے کندھوں پر اسے صبح کی نماز کے قریب بارہ میل کا پیدل سفر کر کے قادیان پہنچایا -

قادیان پہنچکر آپ کے جنازہ کو اس باغ میں رکھا گیا جو مقبرہ بہشتی کے ساتھ ہے اور لوگوں کو اپنے محبوب آقا کی آخری زیارت کا موقعہ دیا گیا اور پھر ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو قریباً بارہ سو احمدیوں کی موجودگی میں جن میں ایک کافی تعداد باہر کے مقامات سے آئی ہوئی تھی حضرت مولوی نورالدین صاحب بھیروی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا - اور آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی - اور اس طرح حضرت مسیح موعودؑ کا وہ الہام پورا ہوا کہ

"ستائیس [27] کو ایک واقعہ ہمارے متعلق [1]"۔

پہلی بیعت کا نظارہ نہایت ایمان پرور تھا اور لوگ اس بیعت کے لئے یوں ٹوٹے پڑتے تھے جس طرح ایک مدت کا پیاسا پانی کو دیکھ کر لپکتا ہے۔ ان کے دل غم و حزن سے چور چور تھے کہ ان کا پیارا آقا اُن سے جدا ہو گیا ہے مگر دوسری طرف اُن کے ماتھے خدا کے آگے شکر کے جذبات کے ساتھ سربسجود تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق انہیں پھر ایک ہاتھ پر جمع کر دیا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کی بتائی ہوئی پیشگوئی پوری ہوئی کہ "میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو خدا کی دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے"۔

حضرت خلیفہ اولؓ کی بیعت جماعت کے کامل اتحاد کے ساتھ ہوئی جس میں ایک منفرد آواز بھی خلاف نہیں اٹھی اور نہ صرف افرادِ جماعت نے اور حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان نے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا بلکہ صدر انجمن احمدیہ نے بھی ایک متحدہ فیصلہ کے ماتحت اعلان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وصیت کے مطابق حضرت مولوی نور الدین صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کا خلیفہ منتخب کیا گیا ہے اور ساری جماعت کو آپ کی بیعت کرنی چاہیئے [2]۔ حضرت مولوی نور الدین صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کسی قسم کا جسمانی رشتہ نہیں رکھتے تھے اور ان کا انتخاب مومنوں کے اتفاق رائے سے ہوا تھا۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے پرانے دوست اور سلسلہ بیعت میں اول نمبر پر تھے اور اپنے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت اور اخلاق و قابلیت میں جماعت میں ایک لاثانی وجود سمجھے جاتے تھے۔

بیعتِ خلافت کے بعد جو حضرت مسیح موعودؑ کے باغ متصل بہشتی مقبرہ میں ایک آم کے درخت کے نیچے ہوئی تھی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے حضرت مسیح موعودؑ کے باغ کے ملحقہ حصہ میں تمام حاضر الوقت احمدیوں کے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کی نمازِ جنازہ ادا کی جس میں رقت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے گریہ و زاری کی آواز اٹھ رہی تھی۔ نماز کے بعد چھ بجے شام کے قریب حضرت مسیح موعودؑ کے جسمِ اطہر کو مقبرہ بہشتی کے ایک حصہ میں دفن کیا گیا اور آپ کے مزارِ مبارک پر پھر ایک آخری دعا کر کے آپ کے غم زدہ رفیق اپنے گھروں کو واپس لوٹے مگر یہ درد بھری یاد خدا کے مقدس مسیح نے اپنے رفیقوں کے دلوں میں چھوڑی تھی وہ ایک نہ مٹنے والی یاد تھی اور آج بھی جبکہ آپ کی وفات پر اکتیس [31] سال کا عرصہ گزر گیا ہے آپ کے ہر دیکھنے والے کے دل کو آپ کی یادِ محبت کی تپش سے گرما رہی ہے اور میں نے کبھی آپ کے کسی صحابی کو اس حالت میں نہیں دیکھا کہ آپ کے محبت بھرے ذکر پر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلی نہ آ گئی ہو۔ اے خدا کے برگزیدہ مسیح! تجھ پر خدا کی بے شمار رحمتیں اور بے شمار سلام ہوں کہ تو نے اپنے پاک نمونے اور اپنی پاک تعلیم سے دنیا میں ایک ایسا بیج بو دیا ہے جو ایک عظیم الشان روحانی انقلاب کا بیج ہے جس کے ساتھ بہت سے مادی انقلاب بھی مقدر ہیں۔ یہ بیج اب بڑھے گا اور پھولے گا اور پھلے گا اور پھیلے گا اور دنیا کے سب باغوں پر غالب آئے گا اور کوئی نہیں جو اسے روک سکے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَ عَلٰی مُطَاعِہٖ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

---

[1] بدر جلد ۶ نمبر ۱۵ و الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۴۔ [2] دیکھو اعلان خواجہ کمال الدین صاحب سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ مندرجہ الحکم ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء و بدر ۲ جون ۱۹۰۸ء۔

تائیدِ اسلام میں سلطان القلم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عظیم الشان لٹریچر

"صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے"

کتاب	تاریخ	سنہ
(۱) براہین احمدیہ حصہ اول		۱۸۸۰ء
(۲) براہین احمدیہ حصہ دوم		"
(۳) براہین احمدیہ حصہ سوم		۱۸۸۲ء
(۴) براہین احمدیہ حصہ چہارم		۱۸۸۴ء
(۵) سرمہ چشم آریہ		۱۸۸۶ء
(۶) شحنۂ حق	۱۴ر اپریل	۱۸۸۷ء
(۷) حقانی تقریر یا سبز اشتہار	یکم دسمبر	۱۸۸۸ء
(۸) ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب		۱۸۹۰ء
(۹) فتح اسلام	۲۲ر جنوری	۱۸۹۱ء
(۱۰) توضیح مرام		"
(۱۱) الحق مباحثہ لدھیانہ	۲۰ر جولائی	"
(۱۲) ازالہ اوہام حصہ اول	ستمبر	"
(۱۳) ازالہ اوہام حصہ دوم	"	"
(۱۴) الحق مباحثہ دہلی	نومبر	"
(۱۵) آئینہ کمالاتِ اسلام	فروری	۱۸۹۲ء
(۱۶) آسمانی فیصلہ	۲۷ر دسمبر	"
(۱۷) برکات الدعا	۳۰ر اپریل	۱۸۹۳ء
(۱۸) حجۃ الاسلام	۸ر مئی	"

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر اور زبان جادو ۔۔۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے۔ جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا ۔۔۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ ایسے شخص جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر ان

(۱۹) جنگِ مقدس — ۲۲ مئی تا ۵ جون — ۱۸۹۳ء

(۲۰) سچائی کا اظہار — جون — ″

(۲۱) تحفہ بغداد — جولائی — ″

(۲۲) کرامات الصادقین — ۲۴ اگست — ″

(۲۳) شہادت القرآن — ۲۶ ستمبر — ″

(۲۴) حمامۃ البشریٰ — جنوری — ۱۸۹۴ء

(۲۵) نور الحق حصہ اول — فروری — ″

(۲۶) نور الحق حصہ دوم — مئی — ″

(۲۷) اتمام الحجۃ — جون — ″

(۲۸) سر الخلافہ — جولائی — ″

(۲۹) انوار الاسلام — ۶ جولائی — ″

(۳۰) منن الرحمٰن — ۱۸۹۵ء

(۳۱) ضیاء الحق — ″

(۳۲) نور القرآن حصہ اول — ۱۵ جون — ″

(۳۳) نور القرآن حصہ دوم — ۲۰ ستمبر — ″

(۳۴) آریہ دھرم — ۲۲ ستمبر — ″

(۳۵) ست بچن — یکم دسمبر — ″

(۳۶) اسلامی اصول کی فلاسفی — ۲۷ دسمبر — ۱۸۹۶ء

(۳۷) انجام آتھم — ۲۲ جنوری — ۱۸۹۷ء

(۳۸) سراج منیر — ۲۴ مارچ — ″

(۳۹) روئیداد جلسہ جشن دہلی — مئی — ″

(۴۰) استفتاء — ۱۶ مئی — ″

(۴۱) تحفہ قیصریہ — ۲۵ مئی — ″

(۴۲) حجۃ اللہ — ۲۶ مئی — ″

(۴۳) محمود کی آمین — ۷ جون — ″

کہ ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بہت بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا ہے اور اس کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احسان کا کھُلم کھُلا اعتراف کیا جائے ...... مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابل پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے...... آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو۔"

ابوالکلام آزاد

(اخبار وکیل امرتسر)

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے

کتاب	تاریخ	سنہ
(۴۴) سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب		۱۸۹۷ء
(۴۵) کتاب البریہ	۲۴ر جون	۱۸۹۸ء
(۴۶) فریاد درد (البلاغ)	مئی	"
(۴۷) ضرورت الامام	ستمبر	"
(۴۸) نجم الہدیٰ	۲۰ر نومبر	"
(۴۹) راز حقیقت	۳۰ر نومبر	"
(۵۰) کشف الغطاء	۲۷ر دسمبر	"
(۵۱) ایام الصلح (فارسی)	اگست	"
(۵۲) ایام الصلح (اردو)	یکم جنوری	۱۸۹۹ء
(۵۳) حقیقت المہدی	۲۱ر فروری	"
(۵۴) مسیح ہندوستان میں		"
(۵۵) ستارۂ قیصریہ	۲۴ر اگست	"
(۵۶) روئیداد جلسہ دعا	۲ر فروری	۱۹۰۰ء
(۵۷) گورنمنٹ اور جہاد	۲۲ر مئی	"
(۵۸) جہاد پر ضمیمہ		"
(۵۹) تحفۃ الندوہ		"
(۶۰) اربعین حصہ اوّل		"
(۶۱) اربعین حصہ دوم		۱۹۰۱ء
(۶۲) اربعین حصہ سوم	۱۵ر دسمبر	"
(۶۳) اربعین حصہ چہارم		"
(۶۴) اعجاز المسیح	۲۰ر فروری	"
(۶۵) ایک غلطی کا ازالہ	۵ر نومبر	"
(۶۶) بشیر احمد، شریف احمد کی آمین	۳۰ر نومبر	"
(۶۷) دافع البلاء	۲۳ر اپریل	۱۹۰۲ء
(۶۸) الہدیٰ	۱۳ر جون	"

ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔۔۔۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہیں۔۔۔۔ اس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے اور واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔"

مرزا حیرت دہلوی

(کرزن گزٹ دہلی یکم جولائی ۱۹۰۸ء)

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُرزور تقریروں اور شاندار تصنیف سے مخالفین اسلام کے ان لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے انہیں ساکت کر دیا ہے اور ثابت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حقِ حمایت اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمت دینِ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامی اسلام اور معین المسلمین فاضل اجل عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔"

(ایڈیٹر صادق الاخبار۔ ریواڑی)

کتاب	تاریخ	سنہ
(۶۹) نزول المسیح	جولائی	۱۹۰۲ء
(۷۰) تحفہ گولڑویہ	یکم ستمبر	"
(۷۱) تحفہ غزنویہ	۱۳؍اکتوبر	"
(۷۲) تحفۃ الندوہ	۱۶؍اکتوبر	"
(۷۳) خطبہ الہامیہ	۱۷؍اکتوبر	"
(۷۴) کشتی نوح	۱۵؍اکتوبر	"
(۷۵) تریاق القلوب	۲۸؍اکتوبر	"
(۷۶) اعجاز احمدی	۱۵؍نومبر	"
(۷۷) ریویو برمباحثہ بٹالوی و چکڑالوی	۲۷؍نومبر	"
(۷۸) مواہب الرحمٰن	۱۴؍جنوری	۱۹۰۳ء
(۷۹) نسیم دعوت	۲۸؍فروری	"
(۸۰) سناتن دھرم	۸؍مارچ	"
(۸۱) تذکرۃ الشہادتین	۱۶؍اکتوبر	"
(۸۲) سیرۃ الابدال	۴؍دسمبر	"
(۸۳) لیکچر لاہور	۳؍ستمبر	۱۹۰۴ء
(۸۴) لیکچر سیالکوٹ	۳؍نومبر	"
(۸۵) الوصیت معہ ضمیمہ	۲۰؍دسمبر	۱۹۰۵ء
(۸۶) چشمۂ مسیحی	یکم مارچ	"
(۸۷) تجلیات الٰہیہ	۱۵؍مارچ	۱۹۰۶ء
(۸۸) احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے	۲۶؍دسمبر	"
(۸۹) قادیان کے آریہ اور ہم	۲۰؍فروری	۱۹۰۷ء
(۹۰) حقیقۃ الوحی	۱۵؍مئی	"
(۹۱) چشمۂ معرفت	۱۵؍مئی	۱۹۰۸ء
(۹۲) پیغام صلح	۲۵؍مئی	"
(۹۳) براہین احمدیہ حصہ پنجم	۱۵؍اکتوبر	"

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بے جان تھا، جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چونکا کر دیا مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی، ہاں ایک دل (حضرت مسیح موعودؑ مراد ہیں — ناقل) مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا اور اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

چودھری افضل حق

(صدر جمعیۃ الاحرار)

خدّامِ احمدیّت سے ......

(محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مدظلہ العالی)

دیارِ یار کی باتیں کرو خدا کیلئے
مرے نگار کی باتیں کرو خدا کیلئے

فرازِ طُور بناؤ تم اپنا سینہ و دل
وصالِ یار کی باتیں کرو خدا کیلئے

خدا سے لَو نہ لگائی تو تم نے کیا پایا
اسی شرار کی باتیں کرو خدا کیلئے

وفا کی عشق کی ایثار کی جنوں کی کہو
نہ زر نہ زار کی باتیں کرو خدا کیلئے

وفا زمانہ کی دیکھی ہے ہم نے جانچی ہے
وفائے یار کی باتیں کرو خدا کیلئے

ہزارِ گلشنِ احمدؐ بنو مرے پیارو
اُسی بہار کی باتیں کرو خدا کیلئے

قرار موت ہے تم بے قرار بن دیکھو
نہ تم قرار کی باتیں کرو خدا کیلئے

خلوص و صدق ہو عزت کی مکرمت کی بنا
اسی عیار کی باتیں کرو خدا کیلئے

یہ ہے خیال کہ دنیائے دوں سے دل نہ لگے
خدا کے پیار کی باتیں کرو خدا کیلئے

وہ فقر جس پہ شہِ دوجہاں نے فخر کیا
اُس افتخار کی باتیں کرو خدا کیلئے

بڑھاؤ الفت باہم غریب دل کے بنو
نہ تم نقار کی باتیں کرو خدا کیلئے

زبان صاف ہو سیدھی ہو اور سچی ہو
بڑے وقار کی باتیں کرو خدا کیلئے

بہارِ طیبہ و بطحا کے تم ہو شیدائی
نہ لالہ زار کی باتیں کرو خدا کیلئے

جنونِ خبیبؓ کا مٹ جائیگا جہاں سے کیا؟
کبھی تو دار کی باتیں کرو خدا کیلئے

رواں ہو خونِ جگر آنکھ سے بجائے اشک
اِس آبشار کی باتیں کرو خدا کیلئے

قدم نجوم و کواکب سے بھی پرے رکھو
نہ کوہسار کی باتیں کرو خدا کیلئے

جہانِ حسن کے خالق پہ دل نثار کرو
نہ گل عذار کی باتیں کرو خدا کیلئے

جو وصلِ یار میسّر نہیں ابھی تم کو
تو وصلِ یار کی باتیں کرو خدا کیلئے

مکرم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب
ایم ایس سی

علم کیمیا اور اس کی اہمیت

اسلام کی حقانیت اور اس کے منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت یہ ہے کہ اس کی تعلیم فطرت کے عین مطابق اور قوانین قدرت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس کا کوئی نظریہ اور کوئی حکم ایسا نہیں جو سائنس اور سچے علم سے کسی رنگ میں بھی متصادم ہو بلکہ حق تو یہ ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو اس امر کی بار بار دعوت دیتا ہے کہ تم اس کارخانۂ عالم پر خوب غور کرو اور گہری نظر سے اس کی جانچ پڑتال کرو جس قدر تم غور و فکر کرو گے اور جس قدر اس کی باریکیوں میں جاؤ گے تم پر یہ واضح ہوگا کہ ایک علیم و خبیر خدا موجود ہے جس نے اپنی حکمت کاملہ سے اس کائنات کو وجود بخشا اور اس میں ایسا محکم نظام قائم کیا ہے کہ لاکھوں لاکھ سال گزر جانے کے باوجود اس میں کہیں رخنہ پیدا نہیں ہوا، کہیں بدنظمی و خرابی نمودار نہیں ہوئی اور کہیں تعطّل یا بے قاعدگی نے اس میں راہ نہیں پائی۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ (الملک ع ۱)

وہی ہے جس نے سات آسمان درجہ بدرجہ بنائے ہیں اور ان میں مطابقت رکھی ہے (اور) تو رحمٰن خدا کی پیدائش میں کوئی رخنہ نہیں دیکھتا۔ اور تو اپنی آنکھ کو ادھر اُدھر پھیر کر دیکھ لے۔ کیا تجھے کسی جگہ کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نظر کو چکر دے اور آخر ناکام ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی۔ (اور کوئی رخنہ نظر نہیں آئے گا)۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران ع ۲۰)

آسمان و زمین کی پیدائش اور رات کے آگے پیچھے آنے میں عقلمندوں کیلئے

یقیناً کئی نشان ہیں۔

غرض قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں علم حاصل کرنے کی ترغیب و تحریص پائی جاتی ہے اور جابجا مظاہر قدرت کو پیش کر کے عقل و سمجھ سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کو ابتداء سے ہی حصول علم کی طرف بڑی توجہ رہی۔ ہمارے آقا سیدو مولیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کو یہ کہہ کر واضح کیا کہ اطلبوا العلم ولوکان بالصین۔ یعنی اگر حصول علم کے لئے چین جانا پڑے (جو اس زمانہ میں بعید ترین ملک سمجھا جاتا تھا) تو وہاں ضرور پہنچو اور علم حاصل کرو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں علم کی اشاعت و ترویج کے لئے ہر ممکن طریق پر کوشش کی۔ جنگ میں اگر ایسے قیدی آجاتے جو پڑھے لکھے ہوتے تو ان کے لئے حصول آزادی کی ایک صورت یہ بھی رکھ دی گئی تھی کہ وہ صحابہ کی ایک خاص تعداد کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ خلفائے راشدین نے بھی اپنے اپنے دور میں تعلیم کو رواج دینے کی پوری پوری سعی فرمائی۔

جب ابتدائی جنگوں کا زمانہ ختم ہو گیا اور مسلمانوں کی حکومت مضبوطی سے قائم ہو گئی تو خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں علوم و فنون کو ترقی دینے کی باقاعدہ اور منظم کوشش شروع ہوئی۔ ابتداءً مروجہ علوم کو انہوں نے عربی زبان میں منتقل کیا اور پھر ان میں اس قدر ترقی کی کہ وہ عملی رنگ میں بھی دنیا کے لیڈر اور رہنما بن گئے۔ نویں صدی سے لے کر بارھویں صدی تک انہوں نے سائنس کی بڑی خدمت کی۔ ہر علم و فن کو اپنی ایجادوں اور نظریوں سے مالامال کیا۔ کئی نئے علوم کی بنیاد ڈالی اور پرانے علوم کو بڑی محنت و کاوش سے مدون و منظم کیا۔ یہ انہیں کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ علم کی ایک ایک شاخ پر بڑی بڑی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں اور دنیا انسائیکلو پیڈیاؤں سے پہلی مرتبہ روشناس ہوئی۔ جس وقت تک مسلمان علوم کے شیدا رہے کامیابی و کامرانی نے ان کے قدم چومے اور ان کی سیادت مسلم رہی لیکن جب ان میں تن آسانی اور علم و ہنر سے بے اعتنائی پیدا ہوئی اُن کی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ میں فرق آنے لگا یہاں تک کہ پندرھویں صدی عیسوی میں ان کی عظمت و سطوت کا خاتمہ ہو گیا۔

بہرکیف مسلمانوں کو اپنے دور اقتدار میں علوم و فنون کی طرف بڑی توجہ رہی ہے۔ جن علوم سے ان کو خاص شغف رہا ان میں سے ایک علم کیمیا ہے۔ اس علم میں اس امر کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ اشیاء کن چیزوں سے بنی ہیں اور کیسے بنی ہیں۔ ان کے اجزاء کا باہمی تناسب کیا ہے۔ ہم ان اجزاء کو کیسے الگ کر سکتے ہیں۔ خالص حالت میں ان کی تیاری کس طرح ممکن ہے اور ان کے خواص کیا ہیں۔ اجزاء کو باہم ملا دینے سے کیا قدرتی اشیاء دوبارہ حاصل ہو سکتی ہیں۔ کیا ہم اس بات پر قادر ہیں کہ لیبارٹری میں ایسی اشیاء تیار کریں جو زندہ پودوں اور حیوانوں کے توسط سے معرض وجود میں آتی ہیں۔ کیا ہم ایسی چیزیں بنا سکتے ہیں جن کا وجود قدرت میں کہیں پایا نہیں جاتا۔ پھر اس علم میں ہم اس امر کا مطالعہ کرتے ہیں کہ اشیاء کے باہمی ملاپ کے اصول و قواعد کیا ہیں۔ ان میں حالات کی تبدیلی سے کیا تغیر پیدا

ہوتا ہے اور ہم ان اصولوں سے کس کس رنگ میں اور کس رنگ میں اور کس حد تک استفادہ کر سکتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق اشیاء کے خواص میں کس طرح اور کس حد تک تغیر پیدا کیا جا سکتا ہے۔

اس علم کی بدولت ہمیں پتہ لگ جاتا ہے کہ بعض اشیاء کیوں جلتی ہیں اور بعض کیوں نہیں جلتیں۔ لوہے کو زنگ کیوں لگ جاتا ہے اور سونا چاندی اپنی چمک کو کیوں برقرار رکھتے ہیں۔ سوڈا ملانے سے روٹی کیوں پھول جاتی ہے اور دودھ، دہی میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے۔ چنبیلی اور گلاب کے رنگ و بُو میں کیوں فرق ہوتا ہے۔ اور آم و کیلا کے ذائقہ میں کس وجہ سے امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ غرض اس علم کی بدولت قدرت کے بہت سے رازوں سے ہم واقف ہو جاتے ہیں اور گردو پیش کے تغیرات کو سمجھنے کی اہلیت ہم میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے نہ صرف ہمارے علم و شعور اور فہم و ادراک میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ ہم بہت سے توہمات سے چھٹکارا پا لیتے ہیں۔

اپنے دائرہ عمل کے لحاظ سے یہ ایک وسیع علم ہے جس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ سے ہے۔ روزمرہ کے استعمال کی بے شمار چیزیں ایسی ہیں جن کی تیاری میں کیمیا دان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص علم کیمیا پر اظہارِ خیال کر رہا تھا کسی نے بعد میں دریافت کیا کہ اس علم کا کیا فائدہ ہے؟ تو مقرر نے ایک جملے میں اس کی اہمیت کو واضح کر دیا۔ اس نے کہا آپ اس کمرہ میں کوئی چیز ایسی بتا دیجئے جس کو انسان نے بنایا ہو اور اس میں کیمیا دان کا ہاتھ کسی نہ کسی نوبت پر نہ لگا ہو۔ اس کا یہ جواب بالکل صحیح تھا کیونکہ اشیاء کی تیاری میں اوزار استعمال ہوتے ہیں اور اوزار دھاتوں سے بنائے جاتے ہیں۔ یہ دھاتیں کیمیاوی طریق پر معدنیات سے حاصل ہوتی ہیں اور ہر کارخانے میں ماہرینِ کیمیا موجود ہوتے ہیں جو ان کی تیاری کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہ تو ایسا جواب تھا جس سے عام آدمی کی تسلی ہو جاتی ہے لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ علم ہماری ساری انفرادی اور اجتماعی ضروریات پر حاوی ہے۔

انسان کی بنیادی ضروریات یہ ہیں کہ اسے سانس لینے کے لئے تازہ اور صاف ہوا ملے۔ پینے کے لئے پانی اور کھانے کے لئے صاف ستھری غذا میسر ہو۔ تن ڈھانکنے کے لئے مناسب حال کپڑا مل جائے اور گرمی، سردی اور بادو باراں سے محفوظ رہنے کے لئے اس کے پاس کوئی ٹھکانا موجود ہو۔

ان میں سے پہلی دو اشیاء تو قدرت نے اتنی مقدار میں مہیا کر دی ہیں کہ ان کے حصول کے لئے انسان کو کچھ تگ و دو کرنی نہیں پڑتی۔ تاہم بعض مواقع ایسے آ جاتے ہیں جب ان کا حصول بھی دقت طلب ہو جاتا ہے۔ مثلاً زمانۂ جنگ میں ہو سکتا ہے کہ دشمن کیمیاوی طریقے اختیار کرنے لگے اور ہوا میں زہریلی گیسیں پھیلا دے۔ ایسی صورت میں عام ہوا میں سانس لینا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا۔ اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے بچاؤ کا کوئی ذریعہ انسان کو معلوم ہو۔ کیمیا دان اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور ایسے گیس ماسک (gas mask)

مہیا کرتے ہیں جن کے ذریعہ صاف ہوا پھیپھڑے میں پہنچتی رہتی ہے اور زہریلی گیسیں جسم کے اندر جانے نہیں پاتیں۔ ناریل، بادام اور اخروٹ وغیرہ کے چھلکوں کو جو بہت سخت ہوتے ہیں جلا کر کوئلہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ کوئلہ زہریلی گیسوں کو جذب کرنے میں بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ گزشتہ جنگِ عظیم میں ناریل کے چھلکے کا کوئلہ ہندوستان سے یورپ کو بڑی مقدار میں ارسال کیا جاتا رہا ہے تاکہ ایسے گیس ماسک میں استعمال کیا جا سکے۔

جہاں تک پانی کا تعلق ہے اس میں بعض دفعہ کئی قسم کی خرابیاں موجود ہوتی ہیں۔ کبھی جراثیم موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے پیچش، ہیضہ، ٹائیفائڈ، ناروا اور اسی قسم کے بعض دوسرے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ پھر اس میں بعض جگہ ایسے نمک موجود ہیں جن کی وجہ سے پانی بھاری ہو جاتا ہے اور استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ کہیں وہ اس قدر کھاری ہوتا ہے کہ زبان پر رکھا نہیں جاتا مثلاً سمندروں میں چاروں طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے لیکن اس کا ایک گھونٹ بھی پیا نہیں جا سکتا۔ لمبے سفروں میں اس امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ پینے کے قابل پانی سمندر سے حاصل کیا جا سکے۔

ان دقتوں کا علاج بھی ماہرین کیمیا ہی کرتے ہیں۔ پانی کا تجزیہ کر کے پہلے وہ یہ معلوم کرتے ہیں کہ ان میں خرابیاں کیا کیا ہیں پھر ان کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر پانی میں بیماریوں کے جراثیم موجود ہوں تو ان کو لال دوا (پوٹاسیم پرمینگنیٹ) سے ہلاک کیا جا سکتا ہے بڑے بڑے شہروں میں میونسپلٹیاں اور کارپوریشنیں جو پانی نلوں کے ذریعہ مہیا کرتی ہیں ان میں کلورین ملا دی جاتی ہے تاکہ جراثیم سے پاک ہو جائے۔ نامناسب نمکوں کو دور کرنے اور پانی کا بھاری پن دور کرنے کے لئے سوڈے اور چونے کا آمیزہ، پرموٹٹ (Permutit) اور زیولائٹ (Zeolite) وغیرہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ سمندروں کے پانی کو پینے کے قابل بنانے کے لئے روانی تبادلہ (Ion exchange) کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ غرض صنعتی اغراض کے لئے یا پینے اور عام استعمال کے لئے صاف پانی کا مہیا کرنا ماہر کیمیا کا کام ہے۔ اس کی مدد کے بغیر یہ کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔

صاف ہوا اور پانی کی مشکلات تو کبھی کبھی اور خاص خاص مقامات یا خاص حالات میں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن جہاں تک خوراک، لباس اور مکان کا تعلق ہے ان کی مشکلات ہر وقت اور ہر جگہ پیش آتی رہتی ہیں۔ جس تیزی سے آجکل آبادی بڑھ رہی ہے اس کے پیشِ نظر یہ مشکلات بعض علاقوں اور ممالک میں بھیانک صورت اختیار کر گئی ہیں۔ ہم اپنی طالب علمی کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے کہ پنجاب میں اس قدر گندم پیدا ہوتی ہے جو سارے برصغیر ہندو پاکستان کے لئے کافی ہوتی ہے لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ دونوں ممالک کو کروڑوں روپیہ صرف کر کے بیرونی ممالک سے اجناس حاصل کرنی پڑتی ہیں۔ ہندوستان میں امریکی گندم بڑی مقدار میں آ رہی ہے پھر بھی وہاں نیم قحط کی کیفیت طاری ہے۔ جنگ کی صورت میں جبکہ اجناس کی درآمد بند ہو جاتی ہے جو دشواریاں پیش آ سکتی ہیں اس کا

اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ غذا کی فراہمی بیشتر ممالک کے لئے ایک اہم مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ بعض حالات میں تو یہ موت و زیست کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

غذاؤں کی قلت کے کئی اسباب ہوتے ہیں کبھی تو زرخیز زمین کی قلت ہوتی ہے۔ مثلاً جاپان اور انگلستان بہت چھوٹے ملک ہیں اور وہاں قابل کاشت رقبہ بہت تھوڑا ہے بعض جگہ پانی کی قلت ہوتی ہے جیسے صحرائی علاقے ہیں۔ پھر کہیں سیم و تھور زمین کو ناقابل کاشت بنا دیتے ہیں جیسا کہ پاکستان کے بعض حصوں میں زمین بیکار ہوتی جا رہی ہے۔ ان مشکلات کا حل بھی بڑی حد تک علم کیمیا سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں زیر کاشت رقبہ کم ہو یا پیداوار تھوڑی ہوتی ہو وہاں تھوڑی جگہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے مصنوعی کھاد کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ یہ کھادیں کیمیا دان ہی تیار کرتے ہیں۔ اس غرض کے لئے امونیم سلفیٹ، امونیم نائٹریٹ، یوریا، سوپر فاسفیٹ آف لائم وغیرہ قسم کی اشیاء استعمال ہوتی ہیں جو کیمیاوی طریقوں سے تیار کی جاتی ہیں۔ ماہرین کیمیا زمین کا تجزیہ کرتے ہیں اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ اس میں کس کس چیز کی کمی ہے۔ پھر اسکے مناسب حال وہ کیمیائی کھادیں تجویز کرتے ہیں جن سے پیداوار میں چار چار پانچ پانچ گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھیئے کہ بغیر جنگ کئے اور بغیر کسی کا حق دبائے ملک کی وسعت میں چار پانچ گنا کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

کیمیاوی کھادوں کی بڑے پیمانہ پر تیاری بھی کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بھی بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اور بہت سے امور کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ ان سب مرحلوں میں ماہرین کیمیا بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ علم کیمیا کے طفیل اب ہم کھادوں کی حقیقت سے آشنا ہو گئے ہیں اور اس قابل ہو گئے ہیں کہ ان کے ذریعہ تھوڑی زمین سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے ملک میں عموماً سال میں دو بڑی فصلیں بوئی جاتی ہیں لیکن جاپان کے لوگ بہتر طریقوں اور بہتر کھادوں کی بدولت سال میں تین بلکہ چار فصلیں بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

غذا کا مسئلہ صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ جہاں ایک طرف قلت پیداوار کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہاں دوسری طرف یہ مصیبت سامنے آتی ہے کہ جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس میں سے بھی ایک خاصا بڑا حصہ کیڑے مکوڑوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ کبھی پودوں میں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کھڑی فصلیں تباہ ہونے لگتی ہیں اور کبھی غلہ کے گوداموں اور ذخیرہ گھروں میں سنڈیاں، گھن اور اسی قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑی تیزی سے تباہی مچانے لگتے ہیں۔ ان کیڑوں مکوڑوں سے غلہ کو بچانا بھی غذا کی فراہمی کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہ سب ایسے مسائل ہیں جو خوراک کے ضمن میں کاشتکار کو اور حکومت کو پریشان کر دیتے ہیں۔ ان مشکلات کا حل بھی ماہرین کیمیا ہی دریافت کرتے ہیں۔ ان کی مساعی کی بدولت آجکل ان اغراض کے لئے ڈی ڈی ٹی، گیمکسین اور سلفر ڈائی آکسائڈ وغیرہ کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔ یہ جراثیم کش دوائیں ہیں جن سے ذخائر بھی محفوظ رہتے ہیں اور پودے بھی بیماریوں سے بچے رہتے ہیں۔

پھر مصنوعی کھادوں اور جراثیم کش ادویہ کا علم ہو جانے سے ہی ساری بات ختم نہیں ہو جاتی۔ ماہرین کیمیا کو یہ بھی

دیکھنا ہوتا ہے کہ جن خام اشیاء یا پودوں سے یہ چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ اپنے ملک میں بھی دستیاب ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر ان کی درآمد کسی وقت بند ہو جائے تو ایسی صورت میں کونسی متبادل اشیاء سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر دواؤں کی تیاری یا درآمد میں لاگت کا پہلو بھی بڑا اہم ہوتا ہے۔ ماہرین کیمیا کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ ملک کی درآمدات پر زیادہ روپیہ ضائع نہ ہو اور اندرون ملک پائی جانے والی اشیاء سے کام نکالا جائے۔ غرض ایک غذا کے سلسلہ میں ہی تحقیق و تفتیش کے بیسیوں میدان ہیں جن میں ماہرین کیمیا کی ضرورت پیش آتی ہے اور جب تک کافی تعداد میں اس علم کو جاننے والے موجود نہ ہوں یہ مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

غذاؤں کے سلسلہ میں ماہرین کیمیا نے ایک اور اہم خدمت سرانجام دی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ امیر لوگوں کو ہر قسم کی غذائیں میسر آجاتی ہیں اور وہ پھل وغیرہ بھی بکثرت استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی صحت اچھی رہتی ہے لیکن کچھ اور لوگ ہوتے ہیں جو سالہا سال تک ایک ہی قسم کی غذا استعمال کرتے رہتے ہیں اور بسا اوقات ان کی صحتیں بڑی خراب ہوتی ہیں۔ اس نقص کے ازالہ کے لئے ماہرین کیمیا نے تمام غذاؤں کا تجزیہ کیا ہے اور یہ دریافت کیا ہے کہ ان کی غذائی قدر و قیمت کس قدر ہے۔ ان کے استعمال سے کس قدر توانائی اور حرارت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اس تجزیہ سے پتہ لگا ہے کہ غذاؤں میں زیادہ تر پانچ چیزیں ہوتی ہیں یعنی پروٹین، کاربوہائیڈریٹ، چربی یا روغنیات، مختلف قسم کے نمک اور پانی۔ اگر ہم غذاؤں کے تجزیہ کو پیش نظر رکھیں تو ہم ان کو متوازن بنا سکتے ہیں اور ایسی چیزیں استعمال کر سکتے ہیں جن سے جسم کی تمام ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ متوازن غذاؤں کے استعمال سے انسان صحت مند رہتا ہے اور بیماریوں کے حملے سے بہت کچھ محفوظ رہتا ہے۔

پھر غذاؤں میں بعض دفعہ بعض چیزوں کی شدید قلت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر آجکل خالص گھی بہت کمیاب ہے۔ اس کمی کو نباتی تیلوں کے ذریعہ پورا کیا جا رہا ہے لیکن ان میں یہ خرابی ہے کہ بعض کا ذائقہ بعض طبائع پر ناگوار گزرتا ہے۔ پھر بعض کا رنگ یا ان کی بُو پسندیدہ نہیں ہوتی۔ کیمیا دان جانتا ہے کہ یہ خرابیاں کس سبب سے پیدا ہوتی ہیں اور ان کا کیا علاج کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اب انہی تیلوں سے بناسپتی گھی تیار کیا جاتا ہے جس میں تیلوں کا نہ ذائقہ باقی رہتا ہے اور نہ ان کا رنگ یا ان کی بُو بلکہ ڈائی ایسیٹائل (Diacetyl) ملا دینے سے اس میں ہو بہو دیسی گھی کا ذائقہ پیدا ہو جاتا ہے اور دیسی گھی کی کمی ایک حد تک پوری ہو جاتی ہے۔

اب ہم لباس کو لے لیتے ہیں۔ اس میں سوتی، ریشمی اور اونی کپڑے شامل ہیں۔ لباس ان ریشوں سے تیار کیا جاتا ہے جو پودوں، جانوروں کی پشم اور ریشم کے کیڑے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ غذا کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اوّل تو ان کا انحصار بہت کچھ موسمی یا سیاسی حالات پر منحصر ہے۔ اگر کسی وقت یہ حالات سیاسی انقلابات یا موسمی حوادث مثلاً سیلابوں وغیرہ کی وجہ سے ناموافق ہو جائیں

تو بہت کچھ پریشانی کا موجب ہو سکتے ہیں۔ دوم یہ کہ آبادی جس رفتار سے بڑھ رہی ہے اس رفتار سے فصلوں کی پیداوار میں اضافہ نہیں ہو رہا۔ جانوروں کی قلت بھی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ان بڑھتی ہوئی ضروریات کا کوئی نہ کوئی حل دریافت ہونا چاہیئے۔ ماہرین کیمیا نے اس مشکل کا بھی بڑی حد تک علاج کر لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ۔ ہر مرض کا علاج موجود ہے۔ علم کیمیا ان علاجوں کے دریافت کرنے میں بہت ممد ثابت ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اب ماہرین کیمیا صرف اس بات سے مطمئن نہیں ہیں کہ روئی کی کاشت اور اس کی پیداوار کو مناسب کھادوں کے ذریعہ بڑھا لیا جائے بلکہ انہوں نے ایسے طریقے دریافت کر لئے ہیں جن کے ذریعہ اور کئی اشیاء کو جو بظاہر ردی اور بیکار نظر آتی ہیں اس غرض کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ لکڑی اور دوسرے سیلولوز (Cellulose) مادوں سے ریشے تیار کئے جا رہے ہیں۔ اسی طرح کیسین (Casein) اور کھلی کی پروٹین سے ایسے اعلیٰ درجہ کے ریشے بننے لگے ہیں کہ وہ روئی پیدا کرنے والے یا اون پیدا کرنے والے ملکوں کی تجارت کو ناکام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ کیسین سے تیار ہونے والے ریشے لینیٹل (Lanital) اور مٹر کی کھلی سے پیدا ہونے والے آرڈل (Ardil) سے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی اون کی تجارت کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح کل پاکستان کی کپاس اور پٹ سن کے بدل بھی نکل آئیں اور ہماری برآمدی تجارت کو سخت مقابلہ سے دوچار ہونا پڑے۔

پھر سوتی کپڑوں کی صنعت کے لئے بہت سی اور چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً کپاس کا رنگ کاٹنے کے لئے کیمیاوی مرکبات کی ضرورت ہے۔ پھر قسم قسم کے رنگوں کی ضرورت ہے اور نشاستہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ سب اشیاء کیمیائی طریقوں سے دستیاب ہوتی ہیں۔ نباتی رنگوں کا دور تو اب ختم ہو چکا ہے۔ اب تو قریباً سب رنگ تجربہ گاہوں میں تیار ہوتے ہیں۔ کسی زمانہ میں صرف ایک شخص پرکن (Perkin) رنگ سازی کی تحقیق میں مصروف تھا لیکن آج ایک ایک کارخانہ میں بیسیوں کیمیا دان کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مختلف ممالک میں صرف اس میدان میں ہی سینکڑوں کیمیا دان تحقیقات میں مصروف ہیں۔ انہی تحقیقاتوں کا نتیجہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد بنگال میں نیل کی پیداوار بند ہو گئی اور یہ صنعت ہندوستان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔ اب یہ رنگ زیادہ تر جرمنی میں تیار کیا جاتا ہے۔

ریشم کی تیاری کے لئے بھی اب دنیا ریشم کے کیڑے کی محتاج نہیں رہی۔ اب لیبارٹری میں اس کا بدل بھی دریافت ہو چکا ہے۔ کیمیاوی طریقوں سے تیار ہونیوالا مصنوعی ریشم اپنی خصوصیات میں اصلی ریشم سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں۔ پائیدار ہونے کے علاوہ چمک اور بھڑک میں وہ اصل ریشم پر فوقیت لے گیا ہے۔ آج دنیا کے بازار مصنوعی ریشم کے تھانوں سے پٹے پڑے ہیں۔ ان کے ڈیزائن، ان کے رنگ اور ان کی چمک دمک ایسی ہے کہ عورتیں ان پر ٹوٹی پڑتی ہیں۔ کم خرچ اور بالانشین کا اصول اس پر خوب صادق آتا ہے۔ یہ ریشم لکڑی اور

سیلولوز مادوں کو ایسیٹک ایسڈ (Acetic Acid) میں حل کر کے تیار کئے جاتے ہیں۔

مصنوعی ریشم جسے ریون (Rayon) کہتے ہیں دوسری جنگ عظیم تک دنیا کے بازاروں پر چھایا رہا۔ لیکن اب ماہرین کیمیا کی کاوشوں سے دو چیزیں اور ایسی نکل آئی ہیں جو ریون پر بھی سبقت لے گئی ہیں۔ ان میں سے ایک شیشے کا لباس ہے۔ شاید بعض لوگوں کو یہ سن کر تعجب ہو کہ شیشہ جیسی سخت اور پھوٹک چیز لباس کے لئے کیسے استعمال ہو سکتی ہے لیکن یہ امر واقع ہے کہ شیشے سے بڑا عمدہ کپڑا تیار ہونے لگا ہے۔ سائنس کی ترقی کی بدولت آج کی دنیا عجائبات کا مجموعہ بن گئی ہے۔ کسی چیز کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نہیں ہو سکتی۔ شیشہ سے کپڑا تیار کرنے کیلئے اس کے نہایت باریک ریشے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ ریشے عام شیشے کی طرح پھوٹک نہیں ہوتے بلکہ ان میں بلا کا لوچ پایا جاتا ہے۔ ان کی پائیداری کا یہ عالم ہے کہ وہ مساوی موٹائی کے فولادی تاروں سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ پھر ان میں ندرت یہ ہے کہ نہ ان پر پانی کا اثر ہوتا ہے اور نہ آگ کا۔ ان ریشوں کو جس قسم کا چاہیں رنگ دے سکتے ہیں۔ ان کے رنگ بڑے پائیدار ہوتے ہیں جو نہ دھلنے سے پھیکے پڑتے ہیں اور نہ دھوپ سے بدرنگ ہوتے ہیں۔ ان کی چمک کا کہنا۔ روشنی میں ایسے چمکتے ہیں جیسے تارے ٹکے ہوں۔ ان کپڑوں کو عام سوتی کپڑوں کی طرح دھویا بھی جا سکتا ہے اور استری بھی کی جا سکتی ہے۔ نہایت درجہ ملائم اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ہر اعتبار سے مصنوعی ریشم پر فوقیت لے گئے ہیں۔

دوسری چیز پلاسٹک ہے۔ یہ ایک مصالحہ ہے جو خالص کیمیاوی طریقے سے تیار ہوتا ہے۔ اس کے ریشوں سے نہایت عمدہ کپڑا خوشنما رنگوں اور ڈیزائنوں کا سستے داموں تیار ہو رہا ہے۔ قدرتی ریشوں سے دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ اب یہ کمی مصنوعی اور ترکیبی ریشوں سے پوری کی جا رہی ہے۔ ہر دور اپنے ساتھ نئے مسائل لاتا ہے بلکہ ہر روز انفرادی اور ملکی ضروریات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ انسان ایک حالت پر قانع نہیں رہتا۔ تگ و دو اور سوچ بچار کا سلسلہ جب تک جاری ہے گا نئی ضروریات پیدا ہوں گی اور ان کے نئے علاج بھی نکلتے رہیں گے۔

اب رہائش کے مسئلہ کو لے لیجئے۔ اس ضمن میں بھی کیمیا دانوں نے اپنے جوہر دکھلائے ہیں۔ کسی زمانہ میں گارے یا کوبلو کے مکان بنا کرتے تھے لیکن اب سیمنٹ کنکریٹ سے عالیشان محل تیار ہوتے ہیں جو خوبصورت ہونے کے علاوہ پائیدار بھی ہوتے ہیں۔ سیمنٹ کو حسب ضرورت ہر قسم کا رنگ دیا جا سکتا ہے یا اس پر مناسب رنگ کا روغن پھیرا جا سکتا ہے۔ سیمنٹ کی دیواروں اور فرش کو شیشے کی طرح چکنا اور چمکدار بھی بنایا جا سکتا ہے۔ بغیر ستونوں کے چھتیں کھڑی کی جا سکتی ہیں اور ایسی عمارتیں تیار ہو سکتی ہیں اور ہو رہی ہیں جو معمولی زلازل سے متاثر نہیں ہوتیں۔

مکانوں کی تعمیر میں دوسری چیز جس کی ضرورت پڑتی ہے وہ لکڑی کا ہے۔ لکڑی میں یہ خرابی ہے کہ وہ بارش اور دھوپ کے اثرات سے پھول کر یا سکڑ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اس میں جگہ جگہ دراڑیں اور شکن نمودار ہو جاتے ہیں۔ ایک حد تک

ان خرابیوں کا یہ علاج کیا جاتا ہے کہ لکڑی کو پانی میں دیر بھیگا رکھ کر پھر خشک کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ پختہ ہو کر اعتدال پر آجاتی ہے اور اس میں کجی پیدا نہیں ہوتی لیکن پھر بھی اس میں یہ خرابی رہتی ہے کہ اسے دیمک کھا جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں گانٹھیں اور دھاریاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ کمزور ہو جاتی ہے۔ ان خرابیوں کو کیمیاوی طریق پر دور کر دیا جاتا ہے۔ دیمک سے بچانے کے لئے لکڑی کو کریو سوٹ آئیل (Creosote oil) میں تر کر لیا جاتا ہے یا لک لگا دی جاتی ہے لیکن دوسری خرابیاں بدستور قائم رہتی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں جب فولاد کی قلت ہو گئی تو ماہرین کیمیا نے لکڑی کی طرف توجہ کی اور اسے بہت مضبوط بنانے کا طریقہ دریافت کر لیا۔ اس غرض کے لئے تازہ لکڑی کی چھال اتار کر اسے دیمک سے بچانے کے لئے پہلے کریو سوٹ آئیل میں تر کر لیتے ہیں پھر اسے خشک کر کے اور شکنجوں میں کس کر خوب دبایا جاتا ہے اس عمل سے لکڑی سخت اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ نہ یہ سکڑتی ہے نہ پھیلتی ہے، نہ پھول کر بدوضع ہوتی ہے نہ اس میں گانٹھیں باقی رہتی ہیں اور نہ دھاریاں۔ اسے نہ دیمک کھاتی ہے، نہ موسم اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس میں سے حسب ضرورت تختے یا ڈنڈے نکال لئے جاتے ہیں جو معیاری جسامت کے ہوتے ہیں۔ انکو زندہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ چھیلنے کی۔ کٹے کٹائے ٹکڑے ہر جسامت کے مل جاتے ہیں اور اینٹوں اور سلوں کی طرح بغیر کسی عمل کے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس خاص عمل سے ان میں دھاتوں کی سی مضبوطی اور پائیداری پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر عام لکڑی کو یوریا (urea) کے محلول میں اچھی طرح تر کرنے کے بعد خشک کر لیا جائے اور پھر ۱۰۰ درجہ کی حرارت تک گرمی پہنچائی جائے تو اس میں یہ خاصیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اسے رسّے کی طرح بل دیا جا سکتا ہے اور سکّے کی سلاخوں کی طرح ہر طرف موڑا جا سکتا ہے۔ اس عمل سے تعمیری کاموں میں نیز فرنیچر تیار کرنے میں بڑی سہولت پیدا ہو گئی ہے۔

تیسری چیز جس کی تعمیر میں ضرورت ہوتی ہے وہ دھاتیں ہیں۔ دھاتوں اور بھرتوں کی تو اب اتنی اقسام ہو گئی ہیں کہ ان کا گننا مشکل ہے۔ ہر ضرورت اور خاصیت کے لئے نئی قسم کی بھرت تیار کر لی جاتی ہے۔ تعمیر کے سلسلہ میں لوہے کے علاوہ ایلومینیم کو بڑی اہمیت حاصل ہو رہی ہے۔ وہ لوہے سے ہلکا اور اس سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ آجکل معیاری جسامت کی دیواریں، چھتیں، دروازے اور کھڑکیاں ایلومینیم کی بننے لگی ہیں۔ آپ جب چاہیں اور جہاں چاہیں بولٹ وغیرہ لگا کر مکان تعمیر کر سکتے ہیں اور جب چاہیں اسے کھول کر رکھ بھی سکتے ہیں۔ یہ مکان سستے اور پائیدار ہونے کے علاوہ بڑے خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ سفر میں ان کے استعمال میں بڑی سہولت ہوتی ہے کہتے ہیں سعودی عرب کے بادشاہ کے پاس ایلومینیم کا ایک سفری محل ہے جسے اونٹوں پر لاد کر جس جگہ چاہیں پہنچا دیا جاتا ہے اور حسب ضرورت فوراً محل کھڑا کر لیا جاتا ہے۔ اب سے سو سال قبل ایلومینیم ایک کمیاب دھات سمجھی جاتی تھی بلکہ قریب کے زمانہ تک بھی وہ کمیاب تھی۔ کہتے ہیں جب امریکہ میں جارج واشنگٹن کا مجسمہ تیار ہوا تو اسکو بجلی کے اثر سے بچانے کے لئے ایلومینیم کے تار لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس غرض کے لئے ۱۰ ہزار ڈالر (قریباً ۴۰-۵۰ ہزار روپیہ) کے معاوضہ پر ایک جرمن ماہر کیمیا کو بلایا گیا تا کہ وہ مناسب مقدار میں ایلومینیم تیار کر کے اس

ضرورت کو پورا کرتے لیکن آج یہ دھات اتنی سستی ہے کہ اگالدان
تک اس دھات کے بننے لگے ہیں۔ ہوائی جہازوں اور دوسرے
اغراض کے لئے تو ہر سال لاکھوں ٹن ایلومینیم تیار کیا جاتا ہے۔
زمین کی بالائی تہ میں مرکب کی صورت میں ایلومینیم کی مقدار
قریباً ۸ فیصد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ایلومینیم
کی کمی نہیں۔

ان بنیادی ضروریات کے علاوہ انسان کی ایک اہم
ضرورت بیماریوں کا علاج اور ادویہ کی فراہمی ہے۔ انیسویں
صدی تک علاج زیادہ تر جڑی بوٹیوں اور ان سے کشید کئے
ہوئے عرقوں سے ہوتا تھا یا چند غیر نامیاتی (Inorganic)
نمک استعمال کئے جاتے تھے۔ جڑی بوٹیوں میں جو اجزاء کسی مرض
کے علاج کے لئے مفید ہوتے ہیں انہیں خالص حالت میں الگ
نہیں کیا جاتا تھا اسلئے ان کا اثر محدود ہوتا تھا اور بوٹیوں
میں موجود دوسرے اجزاء بھی اپنا اثر ڈالتے تھے لیکن آج یہ
صورت حال باقی نہیں رہی۔ اب منفرد مرکبات خالص حالت
میں تیار کئے جاتے ہیں اور الگ الگ یا ملا کر استعمال ہوتے
ہیں۔ ان کا اثر تیز ہونے کے علاوہ معین ہوتا ہے جس کے
باعث علاج بہت بہتر ہو گیا ہے۔ صرف ملیریا سے ہی ہر سال
لاکھوں افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے اور مزید کروڑوں
افراد کی صحت اور زندگی خطرہ میں پڑی رہتی تھی۔ سپین میں جب
سنکونا بوٹے کی چھال اس بخار میں مفید پائی گئی تو کچھ مدت
کے بعد ماہرین کیمیا نے اس میں سے کونین خالص حالت میں
الگ کر لی۔ اس ایک دوا کی بدولت دنیا کے بے شمار افراد
ملیریا جیسے موذی مرض سے محفوظ رہتے ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے حاصل ہونے والی ادویہ کے علاوہ اب
بہت سی ادویہ ترکیبی عمل سے تیار کی جاتی ہیں۔ انہیں انگریزی
میں Synthetie drugs کہا جاتا ہے۔ قدرت
میں ان کا وجود کہیں پایا نہیں جاتا۔ ایسی ادویہ کی تعداد
سال بسال بڑھتی جا رہی ہے اور تحقیقات کا وسیع سلسلہ
جاری ہے۔ بطور مثال کے ان میں سے صرف ایک کا ذکر
کیا جاتا ہے۔ آجکل بچہ بچہ سیبازول (Cibazol)،
سلفا تھائے زول (Sulpha thiazol) اور
سلفاگوانیڈین (Sulpha guanidin)
کے نام سے واقف ہے۔ انہیں "سلفا ڈرگز" کہتے ہیں۔ یہ
ادویہ خالص ترکیبی عمل سے تیار ہوتی ہیں اور پیچش، ہیضہ،
تپ محرقہ، میعادی بخار وغیرہ کے جراثیم ہلاک کرنے میں مفید
ثابت ہوئی ہیں۔ پھر پنیسلین (Pennicilline)
کا استعمال اب عام ہو رہا ہے۔ اس کے انجکشن لگائے جاتے
ہیں اور مرہموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بیماری کے جراثیم
ہلاک کرنے میں نہایت درجہ زود اثر ثابت ہوئی ہے۔

طب اور کیمیا کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بغیر
کیمیا کے طب میں ترقی ممکن نہیں۔ آج قسم قسم کے ٹیکے اور
انجکشن تیار ہو رہے ہیں۔ ان کی تیاری میں ماہرین کیمیا کا بڑا
دخل ہوتا ہے۔ وہ نئے نئے مرکبات تیار کرتے اور آزماتے
ہیں اور ان کے تجربات سے طب والے استفادہ کرتے ہیں۔
علم جراحی میں بھی کیمیا دانوں کی وجہ سے بڑی سہولتیں پیدا
ہو گئی ہیں۔ بیہوشی پیدا کرنے والی یا سن کر دینے والی ادویہ
کی ایجاد سے قبل جب ڈاکٹر کسی مریض کا اپریشن کرتے تھے تو
انہیں بے حد تکلیف برداشت کرنا پڑتی تھی لیکن اب کلوروفارم
اور اسی قسم کی دواؤں سے انہیں اس تکلیف سے چھٹکارا

مل گیا ہے۔ جب مریضوں کے خراب دانت پہلے پہل نکالے جاتے تھے تو وہ بے تحاشا چیختے چلاتے تھے لیکن آج انجکشن دیکر مسوڑھوں کو سُن کر دیا جاتا ہے اور پتہ بھی نہیں لگتا کہ دانت کب نکل گیا۔ پھر پُرانے دانتوں کی جگہ مصنوعی دانت لگ جاتے ہیں جو خاصے پائیدار اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ یہ سب کیمیا دانوں کے کمال ہیں۔ غرض صحت کی حفاظت، بیماریوں سے بچاؤ اور ان کے علاج کے سلسلہ میں ماہرینِ کیمیا نے جو کام کیا ہے وہ نہایت درجہ قابلِ تعریف ہے۔ دنیا کا کوئی فردِ بشر اب ایسا نہیں جو کیمیا دانوں کی محنت اور تحقیق کے ثمرات سے متمتع نہ ہو رہا ہو۔

طب کی طرح ایک اور وسیع میدان جس میں ماہرینِ کیمیا اپنی جولانیاں دکھاتے ہیں صنعت و حرفت کا ہے۔ کسی ایک مضمون میں ان کی تفاصیل پیش کرنا ممکن نہیں۔ اسکے ایک ایک پہلو پر ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ بچوں کے سادہ کھلونوں سے لیکر پیچیدہ مشینوں تک ہر چیز میں کیمیا دان کا ہاتھ لگا ہوتا ہے۔ وہ ان سامانوں اور اجزاء کو فراہم کرتے ہیں جن سے اشیاء بنتی ہیں۔ پھر کارخانوں میں ان کی تیاری کی نگرانی کرتے ہیں اور تحقیقاتی کام میں مصروف رہ کر ان کو بہتر سے بہتر بنانے کی پیہم سعی کرتے رہتے ہیں۔ کوئی صنعت ایسی نہیں جو ماہرینِ کیمیا کی خدمات سے بے نیاز ہو۔ امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا ماہرینِ کیمیا کی خدمات ملک و قوم کے لئے وقف ہوتی ہیں۔ جو گولہ بارود اور سامانِ جنگ حملے یا دفاع کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ سب ان ماہرین کے ہاتھوں میں سے گزرتا ہے اور جب تک وہ کسی چیز کے بارے میں تسلی بخش ہونے کا فیصلہ نہ دے دیں وہ قابلِ استعمال نہیں سمجھی جاتی۔

جب ملک میں کسی چیز کی قلت پیدا ہو جاتی ہے تو کیمیا دان اسکی فراہمی کا سامان پیدا کر دیتے ہیں یا بدل تلاش کر لیتے ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم میں جب اتحادیوں نے سوڈیم نائٹریٹ کی ترسیل جرمنی کے لئے بند کرا دی تاکہ وہ نائٹریٹ ایسڈ تیار نہ کر سکے اور بموں کی تیاری رک جائے تو جرمن سائنسدانوں نے بڑی تحقیق کے بعد یہ ایسڈ ہوائی گیسوں سے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح جب دوسری جنگِ عظیم میں ربڑ کی سخت قلت محسوس ہونے لگی تو جرمنوں نے ترکیبی طریقوں سے ربڑ بنانا شروع کر دیا۔

ماہرینِ کیمیا کے مندرجہ بالا کارناموں کی تفصیل پیش کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو معلوم ہو کہ

(۱) کیمیا علومِ انسانی میں سے ایک اہم اور بنیادی علم ہے جس کی افادیت بڑی وسیع ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ اور ہر پہلو اس سے متاثر ہو رہا ہے۔

(۲) یہ علم خود بخود آسمان سے نازل نہیں ہو گیا بلکہ اس کی موجودہ صورت بے شمار افراد کی مساعی اور تحقیقاتی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ اگر مقصود یہ ہے کہ اس میں ترقی ہوتی چلی جائے تو اس کیلئے بڑی جد و جہد اور قربانی کی ضرورت ہے۔

(۳) ضرورتیں ایجادوں کو جنم دیتی ہیں۔ ہمیں اپنی ملکی اور قومی ضروریات کا علم ہونا چاہیئے اور یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک ملکی وسائل کے ذریعہ پوری ہو سکتی ہیں اور ان کے پورا کرنے میں ہم کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

(۴) تحقیقات کا میدان ختم نہیں ہو گیا بلکہ وہ روز بروز

دیکھ ہو رہا ہے جس قدر ہم اس کی طرف توجہ کرینگے اسی قدر اپنی انفرادی اور قومی دولت میں اضافہ کریں گے اور بنی نوع کے لئے بحیثیت مجموعی مفید ثابت ہوں گے۔

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص کا ظہور ہوتا ہے۔ اس وقت ترقی و کامرانی کی راہیں اس کے لئے مسدود ہوتی ہیں لیکن پھر بھی وہ دنیا میں غالب آجاتے ہیں آسمان سے فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔ اعجاز کے رنگ میں آگ ان کے لئے اپنے خواص کھو بیٹھتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہوا۔ سمندر پھٹ جاتے ہیں جیسا موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا۔ اور بادو باراں ان کی خدمت میں لگا دیئے جاتے ہیں جیسا کہ بدر کے میدان میں ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا۔ لیکن تقدیر خاص کا یہ دور انبیاء کے عین حیات تک یا خاص حالات میں اس کے کچھ عرصہ بعد تک جاری رہتا ہے۔ مگر جب الٰہی سلسلے پوری طرح قائم ہو جاتے ہیں تو پھر تقدیر عام جاری ہو جاتی ہے اور لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے ماتحت جو آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ دور اول کے مسلمانوں نے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھا اور اس سے ایک لمبے عرصہ تک فائدہ اٹھایا۔ آج اگر ہم اس امر کے خواہشمند ہیں کہ اسلام کو دنیا میں غالب کر دکھائیں تو ہمیں لازماً علوم و فنون میں بھی سبقت لے جانی ہوگی۔ جب تک ہم علم کی دنیا میں برتری حاصل نہیں کرتے اس وقت تک ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ مغرب ہماری عبادت کو قبول کرے گا۔ کچھ کام وہ ہیں جن کا خدا تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے وہ بہر حال پورے ہوں گے لیکن کچھ کام ایسے ہیں جو ہماری جدوجہد پر موقوف ہیں۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ علمی ترقی بھی بہت ضروری ہے۔ جس قدر جلد ہم اس طرف متوجہ ہوں گے اسی قدر جلد ہم اسلام کو دنیا میں غالب کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم صحیح رنگ میں علوم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور عملی رنگ میں اسلام کی فوقیت کو ثابت کر دکھائیں۔ آمین +

"یومِ والدین منائیں"

اطفال الاحمدیہ کی ہر مجلس کو چاہیئے کہ وہ سال میں کم از کم دو بار اپنی مجلس میں "یومِ والدین" کے جلسے منعقد کرائیں۔ ان جلسوں میں تمام اطفال کو شریک کرانا چاہیئے اور والدین کو بھی شریک ہونا چاہیئے محترم صدر صاحب خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا پیغام یومِ والدین کے بارے میں کتابچہ اطفال الاحمدیہ سے پڑھ کر اطفال کو سنا دیا جائے۔

مہتمم اطفال الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ

انٹرویو
نمائندہ خصوصی خالد

نومسلم بھائی رفیق چانن

یورپ کے خوبصورت ترین ملک سوئٹزر لینڈ کے رہنے والے ہمارے جواں سال نومسلم بھائی رفیق چانن گزشتہ سالانہ جلسہ پر پہلی بار پاکستان آکر ربوہ تشریف لائے۔ مرکز سلسلہ میں قریباً دو ماہ تک آپ نے قیام کیا۔ اور اس مختصر سے عرصہ میں ہی دیکھنے اور ملنے والوں پر اپنی نیکی وسعادتمندی کا گہرا نقش قائم کر گئے۔

جلسہ سالانہ کے بعد جلد ہی رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو گیا۔ ان ایام کی برکات سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونے کے سلسلہ میں رفیق چانن کی مساعی قابلِ داد تھیں۔ مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا کرنے کے پابند یہ پہلے ہی تھے۔ رمضان المبارک کے دوران اس بارہ میں مزید اہتمام وتعہد برتنے لگے۔ راقم الحروف نے انہیں مسجد مبارک میں جب پہلی بار نمازِ تراویح میں شامل ہوتے ہوئے دیکھا تو یہی خیال ہوا کہ آج شائد تجربۃً ہی یہ زائد نفلی نماز پڑھنے جا رہے ہیں لیکن اگلے روز بھی انہیں اس طویل نماز کے اختتام تک موجود پایا اور پھر اس سے اگلے روز بھی یہ اسی ذوق وشوق سے اس نماز میں حاضر تھے۔ اب مجھ پر عیاں ہوا کہ ہمارے بھائی کا یہ "تجربہ" ایک دو دنوں میں ختم ہونے کا نہیں بلکہ پورا مہینہ جاری رہے گا۔

رفیق چانن تحریک جدید کے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جنوبی افریقہ سے آئے ہوئے بھائی ایم۔ جی ابراہیم صاحب بھی یہیں قیام پذیر تھے۔ ان کے انٹرویو کے لئے خاکسار کو ایک دوبارہ گیسٹ ہاؤس جانے کا اتفاق ہوا تو رفیق چانن صاحب سے بھی تعارف ہو گیا۔ مسٹر چانن کی نوعمری اور ایک سراسر غیر ماحول میں پرورش پانے کے سبب انکے متعلق پہلے پہل میرا بھی خیال تھا کہ ابھی انہیں اسلام سے بہت کم ہی واقفیت ہو گی لیکن ان کے ساتھ مختصر سی گفتگو نے میرے اس خیال کی بہت حد تک تغلیط کر دی اور میں نے محسوس کیا کہ ہمارا یہ نومسلم بھائی دینِ اسلام کی روح اور بعض بنیادی امور سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہے۔

رفیق صاحب کی مادری زبان جرمن ہے لیکن انگریزی بھی روانی سے بول لیتے ہیں اور اس زبان میں اپنا مافی الضمیر بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔ عام یورپینز کی نسبت مجھے ان کا عربی تلفظ کسی قدر بہتر محسوس ہوا۔ یہ اُن کی محنت اور کوشش کا نتیجہ

ے اس نام کے جرمن ہجے یہ ہیں:- TSCHANNEN -

ہے یا انہیں کوئی اچھے استاد میسر رہے۔ بہرحال ان کا سورۂ فاتحہ، اذان، نماز اور مختلف آیاتِ قرآنی پڑھنے کا انداز دل کو بہت بھاتا ہے۔ قارئین بخوبی تصور کر سکتے ہیں کہ یورپ کے کفر گڑھ میں پلے ہوئے نوجوان کے اجنبی ہونٹوں سے خدائے واحد کا کلامِ مجید یوں محبت و اخلاص سے پڑھا جانا سننے والے کی طبیعت میں کس قدر فرحت و انبساط پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے۔

اپنے اس بھائی کے بعض ضروری و قابلِ ذکر کوائف و حالات قارئینِ خالد کی دلچسپی کے لئے ذیل میں درج کرتا ہوں۔ مسٹر جانی مشرقی سوئٹزرلینڈ کے ایک چھوٹے سے صنعتی قصبہ "شوانڈن" کے رہنے والے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر صرف اکیس برس ہے اور یہ اپنے نو بھائی بہنوں میں سے سب سے چھوٹے ہیں۔ پیدائش کے وقت ان کے پروٹسٹنٹ والدین نے ان کا مسیحی نام "عمانوئیل برنارڈ" رکھا تھا۔ مسٹر جانی نے بتایا کہ میرے والد اپنے مذہب سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔ وہ مجھے بچپن سے اپنے ساتھ چرچ لے جاتے اور مختلف مذہبی تقاریب میں اپنے ساتھ رکھتے۔ پروٹسٹنٹ ہونے کی وجہ سے ہم SAINTS کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ صرف خدا کو ہی قابلِ پرستش جانتے تھے۔ لیکن میرے والد کہتے کہ چونکہ حضرت مسیحؑ بھی خدا ہیں اسلئے ان کی عبادت شرک نہیں ہے۔ حضرت مسیحؑ کی قربانی کی وجہ سے میرے والد ان کو بے حد عزت و تکریم کی نظر سے دیکھتے۔ مذہبی امور پر عام طور پر وہ بحث مباحثہ سے بہت گریز کرتے اور کہتے کہ مذہب کی بعض باتوں کو خواہ ان کی بظاہر سمجھ نہ بھی آئے تب بھی بس انہیں اسی طرح تسلیم کر لینا چاہیئے۔

اس سوال کے جواب میں کہ دینِ اسلام سے انہیں کیسے تعارف پیدا ہوا اور وہ کس طرح احمدی ہوئے؟ ہمارے بھائی نے اس کی دلچسپ حکایت یوں بیان کی:۔ بتانے لگے کہ میرے والد چرچ کو کافی رقم چندے میں دیتے رہے ہیں اس لئے ہمارے ہاں متعدد مذہبی (عیسائی) رسائل آتے تھے۔ جن پر گاہے گاہے میں بھی اچٹتی سی نظر ڈال لیا کرتا۔ ایک دفعہ ایک ایسے ہی رسالہ میں غالباً ان کے کسی مشنری کا مضمون مسلمانوں کے بارہ میں چھپا۔ اس پر مجھے دیگر مذاہب کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ سو میں لائبریری جا کر مختلف کتابیں دیکھتا رہتا۔ اسی اثناء میں مجھے کسی سے معلوم ہوا کہ برن (سوئٹزرلینڈ کا دارالحکومت) کی لائبریری میں قرآن کا جرمن ترجمہ موجود ہے چنانچہ میں نے یہ منگوا کر مطالعہ کیا۔ یہ ترجمہ جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس طرح میری زیورچ (سوئٹزرلینڈ کا دوسرا بڑا شہر) کے احمدیہ مشن سے واقفیت ہوئی۔ میں نے انہیں اسلام سے متعلق ضروری لٹریچر کیلئے لکھا۔ انہوں نے کچھ لٹریچر مجھے بھجوا دیا نیز میرے نام جرمن رسالہ "اسلام" بھیجنا شروع کیا۔ لٹریچر پڑھنے کی تو مجھے اتنی فرصت نہ ملتی تھی لیکن رسالہ چونکہ ہر ماہ نیا آجاتا تھا اسلئے اسے میں زیادہ دلچسپی سے پڑھتا۔ اس طرح مجھے اسلام سے کسی قدر واقفیت ہوتی گئی اور سب مجھے یہ مذہب اچھا لگنے لگا۔ ان حالات میں ایک اچھا اتفاق یہ ہوا کہ مزید تعلیم کی خاطر مجھے زیورچ آنا پڑا۔ جہاں میں نے ایک کمرشل کالج میں داخلہ لیا۔ زیورچ کے احمدیہ مشن میں مجھے ایک عید کی تقریب میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ اس سادہ تقریب اور احمدیوں کی بشاشت نے مجھے بہت متاثر

کیا۔ احمدی مبلغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے گاہے گاہے میری
خط وکتابت اور گفت و شنید جاری رہی۔ بالآخر مئی ۱۹۶۱ء
میں مَیں بیعت فارم پُر کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گیا
فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اپنے نو مسلم بھائی سے مَیں نے ایک اہم سوال یہ
کیا کہ آپ کو عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی کن باتوں
نے زیادہ متاثر کیا؟ وہ غالباً اس سوال کے لئے پہلے سے
ہی تیار بیٹھے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بلا توقف بڑی روانی
سے یہ تین چار خصوصی امور بیان کئے:۔

(۱) اسلام ایک زندہ اور سب قدرتوں والے
واحد خدا کا پتہ دیتا ہے جبکہ عیسائیت ایک
کمزور خدا کا تصور پیش کرتی ہے اور یوں
بھی اس بارہ میں سب عیسائیوں کا کوئی ایک
واضح موقف نہیں ہے۔ بعض حضرت عیسیٰؑ کو
خدا سے جُدا مانتے ہیں اور بعض اُسی کا حصہ۔
مثلاً QUAKERS کے فرقہ سے تعلق رکھنے والے
خدا کو ایک مانتے ہیں اور حضرت مسیحؑ کو صرف نبی اللہ
لیکن باقی اکثر عیسائی فرقے ایسا نہیں خیال کرتے۔

(۲) اسلام ایک واضح طریق زندگی (Way of life)
پیش کرتا ہے اور اپنے ہر حکم کی حکمت بھی بتاتا
ہے لیکن عیسائیت ایسی کوئی راہنمائی نہیں کرتی۔
مختلف عیسائی فرقوں نے خود ہی اپنا اپنا طریق
اختیار کر لیا ہے اور اب اُسے ہی عیسائیت کا
طریق کہہ رہے ہیں۔

(۳) عیسائی زبانی طور پر محبت اور ہمدردی کا بہت
دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ اُن کی گزشتہ تاریخ
سے یہ ثابت ہے نہ اب ہی وہ آپس میں اس
محبت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں اور نہ
عیسائیت کی ہر حال میں سراسر محبت والی تعلیم
قابلِ عمل ہی ہے۔ یہ محض ان کا زبانی دعویٰ ہے
اس کے مقابل پر اسلام کی تعلیم ہر لحاظ سے قابلِ
عمل ہے۔

(۴) عیسائی مذہبی راہنماؤں سے مَیں نے جب بھی
کوئی سوالات دریافت کئے ان کی طرف
سے تسلی بخش جواب نہیں ملے لیکن خدا کے
فضل سے مجھے اسلام کے ذریعہ اپنے
ان سوالات کے تسلی بخش جوابات ملے ہیں۔
اور جب مَیں نے اسلام پر خود عمل کرنا شروع
کیا تو مجھے زیادہ اطمینانِ قلب بھی میسر آیا۔

اب مَیں نے مسٹر جانسن سے ان کے نئے مذہبی رجحانات
پر ان کے باقی افرادِ خانہ کے ردِّ عمل کے بارہ میں دریافت
کیا۔ اس پر انہوں نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں کے عیسائی
گھرانوں میں مذہب پر عموماً کم ہی گفتگو ہوتی ہے۔
بہرحال جب گھر میں میرے نئے مذہبی خیالات کا تذکرہ
ہؤا تو میرے والد نے کہا کہ یہ پانچ وقت خدا کی عبادت
کرتا ہے، شراب سے بھی پرہیز کرتا ہے اس لئے یہ
ضرور اچھا آدمی ہے اور کوئی خاص فکر کی ضرورت
نہیں۔ کچھ عرصہ بعد مَیں نے اپنے والد کو بھی قرآن مجید
کا مطالعہ کرنے کی تحریک کی۔ انہوں نے ایک حصہ
پڑھا بھی ہے اور وہ یہ مانتے ہیں کہ واقعی یہ انسان کا

کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ اسلام کے بارہ میں پیدائشی تعصب لئے ہوئے ہیں اسلئے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ شاید یہ شیطان کا کلام ہوگا (نعوذ باللہ) ایک دفعہ انہوں نے مجھے دھمکی بھی دی کہ تم ہر وقت قرآن کے مطالعہ میں وقت کو ضائع کرتے رہتے ہو میں اسے جلا ڈالوں گا لیکن میری والدہ نے انہیں کہا کہ یہ نیا قرآن منگوا لے گا اور یہ امر خواہ مخواہ ہمارے مالی نقصان کا موجب ہوگا۔

مسٹر جانن سے مَیں نے ان کے ذریعۂ معاش اور آئندہ پروگرام کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ احمدی ہونے کے وقت مَیں ابھی کمرشل کالج میں زیرِ تعلیم تھا۔ تعلیمی کورس مکمل کرنے کے بعد دیگر مختلف قسم کی متعدد ملازمتیں اختیار کیں۔ کچھ زیورچ میں اور کچھ وہاں سے باہر۔ اس سال مَیں جلسہ کے موقع پر ربوہ آنا چاہتا تھا تاکہ اپنی آنکھوں سے جماعت کے مرکز کو دیکھوں اور حضرت خلیفۃ المسیح کی زیارت کر سکوں۔ لیکن میرے پاس اس قدر اخراجات نہ تھے کہ یہاں زیادہ دیر تک رہائش اختیار کر سکتا۔ سو مَیں نے سوچا کہ اگر مجھے پاکستان میں کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو مَیں وہاں زیادہ دیر ٹھہر کر مرکزِ سلسلہ سے زیادہ استفادہ کر سکوں گا۔ چنانچہ مَیں نے پاکستان میں کام کرنیوالی ایک جرمن فرم سے رابطہ پیدا کیا اور اس فرم والوں نے مجھے یہاں ملازمت دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ سو اب مَیں ربوہ میں قریباً دو ماہ تک قیام کرنے کے بعد لاہور میں اپنی ملازمت پر چلا جاؤں گا۔

ان سطور کی اشاعت کے وقت رفیق جانن صاحب اپنی ملازمت کے باعث ربوہ سے جا چکے ہیں۔ گاہ بگاہ موقع نکال کر ربوہ آتے رہتے ہیں! ✢

کیڑوں میں محبت کا تصوّر

(بقیہ صفحہ ۲۲)

ہے۔ اعترافِ عجز کرتے ہوئے جھکنا ـــــ اظہارِ مروّت ـــــ لمس اور بوسہ ـــــ قربت کی مضطربانہ جستجو ـــــ ہم آغوشی ـــــ تبادلۂ تحائف ـــــ گیت گانا ـــــ رقص ـــــ اور صنفی اشتعال کے لئے خود نمائی وغیرہ سب انداز موجود ہیں!!

ان محیر العقول مظاہر کے ظہور کا سبب رکھا ہے یہ ایک معمّہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا!! ابھی تک یہ معمّہ حل نہیں ہو سکا کہ صنفی وصال سے قبل حسین و دلکش ڈریگن فلائز (DRAGON FLIES) اپنے نروں سے طولی طور پر مل کر کئی گھنٹوں تک فضا میں اُڑتی رہتی ہیں؟ حتیٰ کہ مادہ کسی پتّے پر یا کسی آبی پودے کے تنے پر انڈے دیدیتی ہے۔ شعوری احساس بھی ان سرگرمیوں کے شریکِ حال ہے اس کے متعلق کوئی قطعی سائنسی علم تو شاید ہمیں حاصل نہ ہو سکے، لیکن کوئی سائنس دان ہمیں اُس شاعری سے محظوظ ہونے سے نہیں روک سکتا، جو اُن کے متعلق ادب میں موجود ہے۔

(AUDUBON MAGAZINE)

"ترجمہ"

قطعات

بارِ غم و اندوہ سے دل ٹوٹ نہ جائے
اس سلسلۂ کوہ سے دل ٹوٹ نہ جائے
تنہائیِ شب اور چمکتا ہوا مہتاب
کرنوں کے اس انبوہ سے دل ٹوٹ نہ جائے

بل گیسوئے خمدار کے للہ نکالو
چھلکی ہوئی مَے بار نگاہوں کو سنبھالو
گزرے ہوئے لمحے کبھی واپس نہیں لوٹے
رندانِ قدح خوار کو وعدوں پہ نہ ٹالو

آتے ہی گھٹاؤں کے مچل جاتے ہیں ہم لوگ
پی لیتے ہیں اور پی کے سنبھل جاتے ہیں ہم لوگ
یوں خم پہ بھی خم ہوں تو تسلّی نہیں ہوتی
لیکن کبھی تلچھٹ سے بہل جاتے ہیں ہم لوگ

مقصودِ نظر لذّتِ دیدار نہیں ہے
دل شیفتۂ شوخیِ گفتار نہیں ہے
تھک ہار کے میں گرچہ یہیں بیٹھ گیا ہوں
منزل مری یہ سایۂ دیوار نہیں ہے

جناب نسیم سیفی

ترجمے

کیڑوں میں محبت کا تصور

"ننھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے"

اللہ تعالیٰ نے اس کارخانۂ عالم کے متعلق فرمایا ہے مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اس دنیا کی ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاندار اشیاء میں صنفی تعلق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ سائنسی انکشافات سے یہ قرآنی حقیقت الم نشرح ہوتی جا رہی ہے۔ جوں جوں سائنس ترقی کرے گی قرآن مجید کی ابدی صداقتوں کا نور اور بھی افشاں ہوگا۔ ذیل میں مشہور مصنف میکس ایسٹ مین کے ایک معلوماتی مضمون کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس قسم کے معلوماتی مضامین خالد میں گاہے گاہے آتے رہیں گے۔ قارئین کرام ایسے معلوماتی مضامین کے تراجم بھجوا کر بھی خالد کی قلمی اعانت میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اگر ترجمہ میں مصروفیت یا کوئی امر مانع ہو تو کٹنگ ہی خالد کو بھجوا دیئے جائیں۔ ادارہ موزوں مواد کا ترجمہ پیش کرنے کی کوشش کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ ——— (ایڈیٹر)

ہم سب جانتے ہیں کہ جھینگر انگیٹھی کے قریب گاتا رہتا ہے۔ ہمیں یہ بھی علم ہے کہ اس گاتے ہوئے جھینگر کی آواز کے زیر و بم سے اندازہ لگا کر یہ بھی معلوم کیا جاتا ہے کہ اس وقت درجہ حرارت کیا ہے۔ کیونکہ پندرہ سیکنڈ تک جھینگر کی آواز کے زیر و بم گننے کے بعد اگر اس تعداد میں ۳۹ کا عدد جمع کر دیا جائے تو حاصل جمع فارن ہیٹ سکیل میں اس ماحول کا درجہ حرارت ظاہر کرے گا لیکن جھینگروں کے متعلق اس حقیقت سے بہت ہی کم لوگ واقف ہیں۔ جنونِ محبت کے زیر اثر یہ ننھی مخلوق اس متوازن موسیقیت کو برقرار نہیں رکھ سکتی۔ ان کے گانے کا انداز اور آواز کا زیر و بم بدل جاتا ہے۔ جھینگر اپنے "سکریپرز" کو پروں کے ساتھ رگڑ کر یہ آواز پیدا کرتے ہیں۔ اپنی عام روزمرہ زندگی میں گاتے وقت نر جھینگر تقریباً ۷۴ فیصد دانتوں کو رگڑ کر آواز پیدا کرتا ہے لیکن جب جنونِ محبت کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہو جاتا ہے تو تقریباً ۹۰ فیصد دانتوں کو استعمال کرنے لگتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اس کی آواز کا زیر و بم اور گانے کی رفتار کچھ اتنی غیر یکساں ہو جاتی ہے کہ متذکرہ بالا کلیہ لگا کر درجۂ حرارت معلوم کرنا ناممکن

ہو جاتا ہے۔ تاہم اس صورتِ حالی سے اس ننھی مخلوق کے
عاشقانہ اضطراب کا علم ضرور ہو سکتا ہے۔ جب نر جھینگر
گانے میں مصروف ہوتا ہے تو اُس کی مادہ اس کے قریب
ہی آجاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اپنی آواز کی تھاپ سے
اُس کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ آخرکار نر اپنے پروں کی
تھرتھراہٹ روک کر دونوں پر اوپر کر لیتا ہے۔ اس
مرحلے تک مادہ جھینگر اُس کے نالہ ہائے پُرسوز سے کافی
حد تک متاثر ہو چکی ہوتی ہے اور وفورِ شوق میں اُسکی
پُشت پر سوار ہو جاتی ہے اور نر جھینگر کے پروں کے
قریب جوڑ میں موجود پیالی نما غدودوں سے رطوبت کا
اخراج شروع ہو جاتا ہے جو مادہ جھینگر کے لئے پُرلطف
مائدہ ثابت ہوتا ہے۔ ہم اسے چاکلیٹ کے تحفے سے تشبیہ
دے سکتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ گانے اور مادہ کی حوصلہ افزا
تھاپ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو تقریباً نصف گھنٹے تک
جاری رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی تسکین ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد
دونوں کا جنسی وصال ہو جاتا ہے۔

قدرت کے وسیع کارخانے میں بعض حالات میں کھانے
کی لذات اور جنسی حظ کے درمیان ایک ربط کا پایا جانا مسلم
ہے۔ مثلاً یہ لذات جستجو کرنے والے مانٹس (MANTIS)
جانبین محسوس کرتے ہیں جو بسا اوقات اپنے محبوب و مطلوب
ہی کو حالتِ وصال میں حریصانہ کھانا شروع کر دیتے ہیں۔
حتیٰ کہ اضطراب سے فراغت ہوتے ہوتے اس کا آدھا سر کھایا
جاتا ہے۔ اس طرح وہ محبت اور بقائے نسل کی چوکھٹ پہ
اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔!!

امپیڈ فلائی (EMPID FLY) کی بعض قسموں
میں جنس اور تغذیہ کے آمیزے کی جامع مثالیں مل جاتی ہیں۔ ان
کے نر چھوٹی مکھی کا شکار کر لیتے ہیں یا کسی پھول کی نرم پتی لیکر
اُسے نازک ریشمی تاروں میں لپیٹ دیتے ہیں۔ یہ ریشمی تار اُن
کے خاص غدود سے تیار ہوتے ہیں جو اُن کی اگلی ٹانگوں
کے قریب ہوتے ہیں۔ اس غذائی تحفہ کو وہ بصد منت اپنی مادہ
کو پیش کرتے ہیں۔ ماہرینِ حیاتیات کو شبہ ہے کہ یہ نر
معاشقے کے اس اسلوب کو اس لئے اختیار کرتا ہے کہ وہ
اس انتظار کی زحمت گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی مادہ اس
لطیف تحفے کی نزاکت پر شکوہ کرنا شروع کر دے۔ یہی وجہ
ہے کہ وہ بڑی تیزی سے مادہ کے ساتھ مخصوص تعلق قائم کر لیتا
ہے جبکہ وہ اس غذائی تحفے سے ریشمی تار علیحدہ کرنے میں
مصروف ہوتی ہے۔

گرے لنگ (GRAY-LING) بھی
ایک ایسا عمل کرتا ہے جو عظیم الشان موسیقی کا [illegible] ہوتا
ہے۔ وہ اپنی محبوبہ کے سامنے حسین و جمیل پروں کی نمائش
کرتا ہے اور اپنی مونچھیں ہلاتا رہتا ہے حتیٰ کہ مادہ میں
سپردگی اور رضامندگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس
نازک مرحلے میں وارفتگی کے انداز سے اپنے سر کو بارگاہِ
محبت میں جھکا کر مادہ کی مونچھیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔
نر کے پاس ایک معطر تھیلا سا ہوتا ہے جو اُس کے اگلے
پروں کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اس حالت میں وہ
اس معطر تھیلے سے تھوڑا سا عطر باہر نکال کر مادہ کی حساس
مونچھوں پر مَل دیتا ہے۔ عطر کا یہ دلکش تحفہ مادہ کے
رہے سہے حجاب کے پردوں کو بھی چاک کر دیتا ہے اور
عملِ تخم ریزی [illegible] آجاتا ہے!

یہ کافی عرصہ تک کہا جاتا رہا ہے کہ پروانوں کے رنگ اور ان کے پروں کے اوپر جو شوخ و شنگ حسین و جمیل آنکھیں بنی ہوتی ہیں وہ بنیادی طور پر صنفی محبت کو جانبین میں بیدار کرنے میں خاص طور پر ممد ہوتی ہیں۔ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ پروانے کی حسِ شامہ موسمِ وصال میں نر و مادہ کو ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں۔ ان انواع میں مادہ میں ایک عطر افشاں غدود ہوتا ہے۔ اس غدود سے نکل کر خوشبو پھیل جاتی ہے جو نر پروانوں کو ناقابلِ یقین فاصلوں سے بھی کھینچ لیتی ہے۔ یہ بات تجربات سے ثابت کی جا چکی ہے کہ بسا اوقات نر اپنی نوع کی مادہ کو تین میل کے فاصلے سے بھی جا لیتے ہیں۔ بسا اوقات چالیس پچاس نر پروانے نہ جانے کہاں سے آ کر ایک مادہ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

اس مادہ کا عطر افشاں غدہ (GLAND) ساخت کے اعتبار سے خاص طور پر ایسا ہوتا ہے جو نر کو کھینچنے میں ممد ہوتا ہے۔ مادہ نر کو بلانے کے لئے اپنی دم اوپر اٹھا کر اپنے پروں کو اتنی تیزی سے ہلاتی ہے کہ مرتعش ہوا وہاں سے عطر لیکر اطراف و جوانب میں پھیل جاتی ہے۔ مادہ کے اعصابی خلیوں کی ماہیت کچھ ایسی ہے کہ وہ صرف اس وقت عطر فضا میں پھیلاتی ہے جب حالات اس کے لئے زیادہ سے زیادہ حد تک سازگار ہوں وہ زیادہ سے زیادہ فاصلے تک عطر پھیلا سکتی ہے اور اس طرح نروں کو اکٹھا کر لیتی ہے۔

نگاہ و نظر کو انسانی معاشقے میں غیر معمولی حیثیت حاصل ہے ـــــ "نگہ نے زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں"۔ ـــ

انسان سے ملتی جلتی یہ خصوصیت کیڑوں کی حیاتِ معاشقہ کے تمام طریقوں میں کارفرما نظر آتی ہے۔ مگز (MIDGES) اور مے فلائز (MAY FLIES) کے اس والہانہ رقص نے انگریزی ادب کی ایک بلند پایہ نظم میں کیٹس (KEATS) کو اظہارِ خیال پر مجبور کر دیا جس میں اس نے ننھی منی مخلوق کی موسیقی اور رقص کا ذکر کیا ہے۔ سائنس دان اس قسم کے منظر دکھانے اور سنانے کے قابل نہیں جیسا کہ کیٹس نے دیکھا اور محسوس کیا۔ تاہم سائنس دان ان مظاہر کی اس سے زیادہ رومانی توضیح ضرور کر سکتے ہیں۔ مارس برٹن اپنی کتاب "حیوانی معاشقہ" میں لکھتے ہیں:۔

> "مے فلائز اور مگز دریاؤں کے قریب جوا میں جمع ہو کر رقص میں محو ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ رقص بار بار فضا میں تیزی سے صعود و نزول پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ رقاص تقریباً تمام کے تمام نر ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مادہ مے فلائز ان میں شامل ہوتی رہتی ہیں حتیٰ کہ جوڑے مکمل ہو جاتے ہیں۔ اسکے بعد ہر جوڑا اڑ کر کہیں چلا جاتا ہے"۔

یہ صرف ہوا کی لطافت ہی نہیں بلکہ جنونِ محبت ہے جو انہیں اس متوازن رقص کی ڈگر پر ڈالتی ہے۔ بیالوجی کے بعض ماہرین اگرچہ زندگی کی سادہ انواع میں اس قسم کے رویے پر بحث کرتے ہوئے "محبت" کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن کیڑوں کی حیاتِ معاشقہ کا جائزہ لینے پر آپ اظہارِ الفت کے ہر اس انداز اور اسلوب کو یہاں بھی کارفرما پائیں گے جن سے اشرف المخلوقات آگاہ

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

آپ سے چند سوال!

(شعبۂ صحتِ جسمانی مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

۱ کیا آپ روزانہ صبح سویرے اُٹھتے ہیں؟

۲۔ کیا آپ روزانہ سیر کو جاتے ہیں یا کوئی اور ورزش کرتے ہیں؟

۳۔ کیا آپ روزانہ مسواک کرتے ہیں؟

۴۔ کیا آپ روزانہ صابن سے مُنہ ہاتھ دھوتے ہیں؟

۵۔ کیا آپ ہفتہ میں کم از کم دو بار غسل کرتے ہیں؟

۶۔ کیا آپ مہینہ میں کم از کم ایک بار حجامت بنواتے ہیں؟

۷۔ کیا آپ ہفتہ میں کم از کم دو مرتبہ کپڑے بدلتے ہیں؟

۸۔ کیا آپ ہفتہ میں کم از کم ایک بار ناخن کاٹتے ہیں؟

۹۔ کیا آپ دستی رومال کا استعمال کرتے ہیں؟

۱۰۔ کیا آپ اپنے بوٹوں کو روزانہ صاف کرتے ہیں؟

۱۱۔ کیا آپ اپنے پلنگ کی چادر اور تکیہ غلاف ہر ہفتہ بدلتے ہیں؟

۱۲۔ کیا آپ سال میں ایک دفعہ طبی معائنہ کرواتے ہیں؟

۱۳۔ کیا آپ حکام کی ہدایات کے مطابق ٹیکے کرواتے ہیں؟

۱۴۔ کیا آپ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھوتے ہیں اور کُلّی کرتے ہیں؟

۱۵۔ کیا آپ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے اور کُلّی کرتے ہیں؟

۱۶۔ کیا آپ اپنے گھر اور ماحول کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں؟

۱۷۔ کیا آپ سڑکوں پر تکلیف دہ چیزیں مثلاً کانٹے، شیشوں کے ٹکڑے اور پھلوں کے چھلکے وغیرہ دیکھ کر حتی المقدور انہیں دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

اگر ان سب سوالات کا جواب اثبات یعنی ہاں میں ہے تو آپ ماشاء اللہ صفائی کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔ ورنہ ....!

"تحریک احمدیت اور اس کے نقاد"

(محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مدظلہ العالی)

مجلس خدام الاحمدیہ ربوہ مکرم برادرم مولوی دوست محمد صاحب کا ایک قیمتی اور خیال افروز مقالہ "تحریک احمدیت اور اس کے نقاد" کے نام سے ہدیۂ ناظرین کر رہی ہے۔

مَیں امید کرتا ہوں کہ یہ قیمتی مقالہ احباب جماعت کے علم میں قیمتی اضافہ کا موجب ہوگا اور تبلیغ احمدیت میں بھی بہت ممد ثابت ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس پر مذاہب عالم کی تاریخ گواہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنیوالوں پر ایک ہی قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں جو اہل علم کے لئے اِس بات کا مزید ثبوت ہوتا ہے کہ یہ پاکباز ایک ہی منبع سے نکلنے والے اور ایک ہی سرچشمہ سے پینے والے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ یعنی تجھ پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ وہی ہیں جو تجھ سے پہلے انبیاء پر کئے جاتے تھے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تجھے ان انبیاء گزشتہ سے اور تیرے دشمنوں کو ان انبیاء کے مخالفوں سے مشابہت ہے۔

اِس مقالہ کے مطالعہ سے آپ پر قرآن کریم کے اس بیان کی صداقت ثابت ہو جائے گی کیونکہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں اگر ان کو قبول کیا جائے تو کوئی نبی ایسا نہیں جو ان اعتراضات کی زد سے بچ جائے۔ یہ اِس بات کا ثبوت ہے کہ احمدیت کے نقاد تعصب اور عناد سے کام لیتے ہیں اور حق جوئی اور حق طلبی ان کے مدنظر نہیں ہوتی۔

مَیں احباب جماعت خصوصاً مجالس خدام الاحمدیہ سے درخواست کروں گا کہ وہ اِس مقالہ کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ اور خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لئے دیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ برادرم مکرم مولوی دوست محمد صاحب کو ان کی اِس محنت کی جزائے خیر دے اور اسکے اعلیٰ نتائج پیدا فرمائے اور ان کا یہ مقالہ بہتوں کے لئے ہدایت پانے اور قبول کرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔ والسلام

مرزا رفیع احمد

عیسائیت کے دورِ زوال کے نئے حربے

ایک نیا افریقی چرچ

اس خبر کا راوی کہتا ہے کہ "ملاوی میں ایک نیا چرچ قائم ہوا ہے جسے ابراہام چرچ کا نام دیا گیا ہے۔ اس نئے چرچ کی ابھی کوئی عمارت نہیں۔ اس کے پیروکار ہر اتوار کو کھلے میدان میں ایک درخت کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ جہاں پرانے عہد نامے سے اُن بزرگوں کی کہانیاں حاضرین کو سنائی جاتی ہیں، جن کی کئی کئی بیویاں تھیں۔ اس چرچ کے ماننے والوں میں اکثریت اُن افریقی عیسائیوں کی ہے جن کی کئی کئی بیویاں ہیں۔

افریقہ میں عیسائیت کا دم واپسیں ہے۔ اس علاقے میں یہ مذہب سفید فام استعمار کے ساتھ آیا تھا۔ اب چونکہ یہ استعمار اپنے بیشتر افریقی مقبوضات سے محروم ہو گیا ہے اس لئے عیسائیت کے پاؤں بھی اُکھڑ گئے ہیں۔ عیسائی پادری اس علاقے میں سامراجی طاقتوں کے ہراول دستے کی حیثیت سے آئے تھے اور اب اسی حیثیت سے ان کی واپسی ہو رہی ہے۔

افریقہ میں عیسائیت کی جگہ اسلام کو مل رہی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام نسلی امتیاز کا قائل نہیں اور اسلامی افریقہ یعنی مصر، سوڈان، نائیجیریا وغیرہ اور شمالی افریقہ تیونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ اس کی بہترین مثال ہیں۔ ان ملکوں میں عرب فاتحین تعلیم، تہذیب، شریعت اور اخلاق کے ضابطے ہی نہیں لائے تھے بلکہ یہ ان نسلوں کے ساتھ خلط ملط بھی ہو گئے تھے جو یہاں پائی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں عیسائیت کے افریقہ سے قدم اکھاڑنے میں متحدہ عرب جمہوریہ کے تبلیغی مشنوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ قاہرہ اور صوت الاسلام کے ریڈیو سٹیشنوں اور مصر کے محکمہ اوقاف کی مساعی اس ضمن میں قابلِ قدر ہیں۔

عیسائی مشنری اپنی شکست کی بڑی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عیسائیت میں تعدد ازدواج چونکہ ناجائز ہے اس لئے افریقی ذہن کے لئے ہمارے مذہب میں کوئی کشش نہیں۔ اسکے برعکس قاہرہ ریڈیو ہر روز پکار پکار کر افریقیوں سے یہ کہتا ہے کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ، نسلی مساوات حاصل کرو اور تعدد ازدواج کی رعایت سے فائدہ اٹھاؤ۔

ملاوی کا یہ نیا چرچ عیسائیت کی پسپائی کے ردِ عمل کے طور پر قائم ہوا ہے، اس وقت عیسائیوں کے جو مختلف فرقے موجود ہیں ان کے ہاں تعدد ازدواج کی ممانعت ہے بعض تو طلاق کے بھی قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین پر جو رشتہ بندھ جاتا ہے اسے صرف موت قطع کر سکتی ہے۔ خواہ اس رشتے کے دوران فریقین کچھ ہی کیوں نہ کریں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عیسائیت افریقہ میں اپنے مستقبل کو بچانے کے لئے اپنے اندر کیا تبدیلی کرتی ہے۔ مغربی عیسائیت

تو یک زوجی نظام پر ابھی تک قائم ہے اگرچہ یہ یک زوجی نظام بہت ہی بھیانک ہے۔ طلاق کی کثرت اور بیویوں اور شوہروں کو لباس کی طرح تبدیلی نے اسے بہت ہی مکروہ بنا دیا ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں ایک مختصر گروہ کے سوا ایسے لوگ ایک درجن بھی نہیں ہوں گے جنہوں نے اپنی بالغ عمر میں آٹھ آٹھ نو نو شادیاں کی ہوں اس کے برعکس مغرب میں ایک عام آدمی کے لئے زندگی میں تین چار شادیاں تو معمولی بات ہے۔ (مشرق - لاہور)

اطفال کے
سالانہ امتحان

مجلس اطفال الاحمدیہ کے مرکزی امتحان ۲۸ مئی کے آخر میں منعقد ہو رہے ہیں۔ تمام مجالس اپنے تمام اطفال کو اس میں شامل کرائیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دیں۔

ان امتحانات میں

اول، دوم، سوم آنے والے اطفال کو انعامات دیئے جائیں گے اور چاروں امتحانات مکمل کرنے والوں کو تمغہ "بدر اطفال" سالانہ اجتماع ۱۹۶۵ء کے موقع پر پیش کیا جائے گا۔

(مہتمم اطفال الاحمدیہ ربوہ)

تو یک زوجی نظام پر ابھی تک قائم ہے اگرچہ یہ یک زوجی نظام بہت ہی بھیانک ہے۔ طلاق کی کثرت اور بیویوں اور شوہروں کی لباس کی طرح تبدیلی نے اسے بہت ہی مکروہ بنا دیا ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں ایک مختصر گروہ کے سوا ایسے لوگ ایک درجن بھی نہیں ہوں گے جنہوں نے اپنی بالغ عمر میں آٹھ آٹھ نو نو شادیاں کی ہوں اس کے برعکس مغرب میں ایک عام آدمی کے لئے زندگی میں تین چار شادیاں تو معمولی بات ہے۔ (مشرق - لاہور)

اطفال کے

سالانہ امتحان

مجلس اطفال الاحمدیہ کے مرکزی امتحان ۲۸ / مئی کے آخر میں منعقد ہو رہے ہیں۔ تمام مجالس اپنے تمام اطفال کو اس میں شامل کرائیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہ ہونے دیں۔

ان امتحانات میں

اول، دوم، سوم آنے والے اطفال کو انعامات دیئے جائیں گے اور چاروں امتحانات مکمل کرنے والوں کو تمغہ "بدر اطفال" سالانہ اجتماع ۱۹۶۵ء کے موقع پر پیش کیا جائے گا۔

(مہتمم اطفال الاحمدیہ ربوہ)

Regd. No. L. 5880 MAY 1965 Telephone : 48

Monthly **KHALID** *Rabwah*

A NEW ENGLISH COMMENTARY OF THE HOLY QURAN

A UNIQUE ACHIEVEMENT

In the context of modern world, aggressive Christianity holds a challenge to Islam. This Commentary which covers about 3000 pages meets that challenge on all planes and establishes on rational basis the superiority of Islam over all other Faiths. It supplies a real need and all those interested in the study of Comparative Religion will find this encyclopaedic work very useful.

The Commentary undertaken by a Board of Editors has taken nearly 20 years to be completed. Its last volume has been issued only recently

Vol I. (Chapters 1-9) $\frac{20 \times 30}{8}$ with Introduction,
1260 pages cloth bound (in 2 Parts) Rs [illegible]
Vol II. Part I. (Chapters 10-18) $\frac{20 \times 30}{8}$ 577 pages Rs 10.00
Vol II, Part II (Chapters 19-45) .. 860 .. Rs 22 00
Vol III, (Chapters 46-114) .. 511 .. Rs 15 00

THE ORIENTAL & RELIGIOUS PUBLISHING CORPORATION LIMITED
RABWAH

Only Title Printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.